جلد ۳ ذی المحرم مطابق ہجری

الاصلاح

دائرہ حمیدیہ کا ماہوار علمی و مذہبی رسالہ

مرتبہ

امین احسن اصلاحی

دائرہ حمیدیہ کی اردو مطبوعات

تفسیر سورۂ اخلاص

استاذ امام علامہ فراہی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ اخلاص کی تفسیر اردو میں لکھی ہے۔ اس سورہ کی، ہر دور میں بیشمار تفسیریں لکھی گئیں۔ لیکن اہل نظر نے اعتراف کیا ہے کہ علامہ فراہیؒ کی تفسیر میں جو نکتے بیان ہوئے ہیں۔ ان سے تمام تفسیریں خالی ہیں۔ کتابت وطباعت بہترین۔ کاغذ نہایت عمدہ۔ قیمت :۔ ۵/

تفسیر سورۂ کوثر

استاذ امام علامہ حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر سورۃ الکوثر کا اردو ترجمہ ہے۔ اسمیں کوثر کی تحقیق، خانہ کعبہ کی روحانی حقیقت اور نماز اور قربانی کے اسرار وحقائق پر مصنف نے جو کچھ لکھا ہے اسکی اصلی عظمت کا اندازہ صرف مطالعہ کے بعد ہی ہوسکتا ہے۔ کتابت وطباعت جاذب نظر کاغذ عمدہ تقطیع ۲۰ × ۳۰/۱۶ حجم ۱۲۲ صفحے قیمت :۔ ۸/

تفسیر سورۂ لہب

استاذ امام علامہ حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر سورۃ اللہب کا اردو ترجمہ ہے۔ اسمیں عام خیال کی مدلل تردید کی گئی ہے کہ یہ سورہ بد دعا ہے۔ ابو لہب اور اس کی بیوی کے وجوہ ذکر نہایت اثر انگیز ہیں۔ اس تفسیر کی اصلی عظمت کا اندازہ صرف مطالعہ کے بعد ہی ہوسکتا ہے۔ کتابت وطباعت بہتر کاغذ نہایت عمدہ۔ حجم ۴۰ صفحے قیمت ۶/

منیجر

جلد ۳	ماہ شوال المکرم و ماہ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ مطابق ماہ جنوری ۱۹۳۸ء	نمبر ۱

فہرست مضامین

شذرات	امین احسن اصلاحی	۲-۸
	معارف قرآن	
تفسیر سورہ والمرسلات	استاذ امام مولانا حمید الدین فراہیؒ	۹-۱۸
ذبیح کون ہے؟	" " "	۱۹-۲۶
	مذاکرہ	
مصدقا لما بین یدیہ	جناب مولانا سید محمد طٰہٰ اشرف المتھوی	۲۷-۳۹
	موعظۂ حسنہ	
فرصت کی گھڑیاں	جناب مولوی ابو اللیث صاحب اصلاحی ندوی	۴۰-۴۸
	حکمت غرب	
مارکس اور مییں کے خیالات	جناب مولوی نیاز احمد صاحب صدیقی بی۔ اے	۴۹-۵۲
	ادبیات	
خیر مقدم	جناب مولوی محمد یحییٰ صاحب اعظم گڈھ	۵۳-۵۴
غزل	جناب بیخود دہلوی	۵۴
	تلخیصات	
آرزوؤں کا جال	ع۔ رناصر	۵۵-۵۷
آنکھوں سے سننے والے!	ا۔ ن	۵۸-۶۱
تقریظ وتبصرہ	ع۔ ن	۶۲-۶۴

شکر گذاری

دو بزرگ مہمان

جنوری کے پہلے ہفتہ میں، نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی اور ہمارے مخدوم مولانا عبد الماجد صاحب بی۔ اے مدیر صدق، دار المصنفین کے جلسہ انتظامی کی شرکت کے لئے اعظم گڈھ تشریف لائے تھے۔ ناظم صاحب مدرسۃ الاصلاح کی دعوت پر ان بزرگوں نے ۸ جنوری ۱۹۳۸ء کی سہ پہر میں مدرسۃ الاصلاح کو بھی اپنے قدوم سے عزت بخشی۔ مدرسہ کی طرف سے ان بزرگ مہمانوں کا خیر مقدم کیا گیا۔ راقم سطور نے ایک مختصر تقریر کی، ہمارے دوست مولوی محمد یحییٰ صاحب نے اس موقع کے لئے ایک نظم لکھی تھی، وہ نظم پڑھی گئی۔ اس کے بعد مولانا شروانی نے ایک وعظ فرمایا۔ مولانا نے پہلے اس مدرسہ اور اس کے مقدس بانیوں کے ساتھ اپنے قدیم تعلقات کو یاد دلایا۔ اس کے بعد طلبہ اور اساتذہ کو مخاطب کرکے ایک دلنشین اور موثر وعظ فرمایا، اس وعظ میں حضرت جنیدؒ و حضرت شبلیؒ کے واقعات فقر و تصوف کے ساتھ ساتھ انھوں نے مولانا حمید الدین رحمۃ اللہ کی محویت، استغنا، اور شغف قرآن کے بعض ایسے سبق آموز واقعات سنائے جن سے وہ ذاتی واقفیت رکھتے تھے۔ ان واقعات کا حاضرین پر نہایت اچھا اثر پڑا۔ مولانا عبد الماجد صاحب نے کسی تحریر یا تقریر سے پہلے ہی معذرت فرما دی تھی، اس لئے ان کو زحمت نہیں دی گئی، البتہ طلبہ نے ان کے سامنے اپنے دار المطالعات کے معائنہ کا رجسٹر دستخط کے لئے پیش کیا۔ موصوف نے مثنوی کا مشہور شعر "صد کتاب و صد ورق در نار کن الخ" لکھکر اس کو اپنے دستخط سے زینت بخشی۔

مدرسہ اور دائرہ کا ایک خاموش خادم

مدرسہ اور دائرہ حمیدیہ دونوں نہایت غریب ہیں۔ صرف اللہ تعالیٰ کا بھروسہ اور کچھ مخلصین کی خاموش اعانت

ان کا اصلی سرمایہ ہے۔ اور ہم اللہ تعالیٰ کے شکر گذار ہیں کہ انہی خاموش خادموں کی مدد سے یہ چل رہے ہیں اور انشاء اللہ چلتے رہیں گے۔ ان ہمدردوں کا ذکر ان صفحات میں محض اس ڈر سے بہت کم آتا ہے کہ ممکن ہے انکا اخلاص اس چرچے کو پسند نہ کرے لیکن آج بقصد اظہار و مدحت نہیں بلکہ محض بطور تحدیث نعمت الٰہی، ہم اپنے مخدوم جناب شیخ سلیمان صاحب مرزا پوری (حال مقیم رنگون) کا ذکر ضرور کریں گے جنھوں نے مدرسۃ الاصلاح اور دائرہ حمیدیہ کی خدمت و اعانت کو اپنی زندگی کا اصلی مقصد قرار دے لیا ہے۔ گذشتہ سالوں میں انھوں نے مدرسہ اور دائرہ کی جو امدادیں کی ہیں ان کا ذکر کبھی کبھی اشارۃً ان صفحات میں ہوا ہے۔ اس سال انھوں نے دائرہ اور مدرسہ کے مختلف شعبوں کو جو رقمیں دی ہیں ان کی تفصیل یہ ہے۔

دائرہ حمیدیہ کے لئے	۱۰۰
تعمیر دار الاقامہ جدید کے لئے	۳۴۰
مد عام اغراض	۳۰۰

موصوف کوئی کھوپتی سیٹھ نہیں ہیں۔ صرف دل غنی رکھتے ہیں اور اپنی محنت کی کمائی کے پیسے قرآن کی خدمت اور اپنی قوم کی تعلیم پر خرچ کرنا چاہتے ہیں۔ ہماری دلی دعا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہم کو ایسے مخلص ہمدرد نائید و رفاقت کے لئے بخشے ہیں تو اخلاص و نیک نیتی کے ساتھ اس خدمت پر ثابت قدم رہنے کی توفیق بھی بخشے۔ سب کچھ اسی کے خزانہ سے ملتا ہے۔ اس پر ہمارا یقین ہے اور یہ یقین بھی اسی نے بخشا ہے۔ جی نہیں چاہتا تھا کہ یہ سطریں لکھکر ایک خاموش نیکی کا چرچا کیا جائے لیکن اس زمانہ میں جب کہ علم دین کی خدمت کے لئے لوگوں کی ہمتیں پست ہو چکی ہیں، آدمی کن چیزوں سے تسلی حاصل کرے؟ اسی جذبہ سے مجبور ہو کر یہ سطریں قلم سے نکل گئی ہیں۔ اگر شیخ صاحب نے اس کو برا نہ مانا تو یہ بھی ان کی فیاضیوں میں سے ایک فیاضی ہوگی جو ان کی شریف ذات سے بعید نہیں۔

دائرہ کے معاونین میں دو ناموں کا اضافہ ہوا ہے، ہم ان دونوں دوستوں کے دل سے شکر گذار ہیں۔

۱۔ مولوی عبد الرزاق صاحب اصلاحی مدرس مدرسہ اسلامیہ ضلع بلیا۔ ۲۔ مولوی حکیم محمد عمر صاحب اصلاحی۔

ایک فتنۂ عظیم

یہ ایک عجیب بدقسمتی ہے کہ دنیا میں جب کبھی کوئی اصلاحی انقلاب رونما ہوا تو مذہبی جماعتوں نے عموماً طاقت و اقتدار کا ساتھ دیا، انقلاب کی رہنمائی اور غور و پرداخت کیلئے قدم عزیمت نہیں اٹھایا، اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف طاقت و اقتدار کے ساتھ انقلاب کی رو میں وہ خود بھی بہ گئیں اور ان کے ساتھ ساتھ مذہب بھی غائب ہوگیا۔ دوسری طرف خود انقلاب بھی چونکہ اس کو کوئی صحیح جماعت تربیت کیلئے نہیں ملی، بدمزاج اور چڑچڑا ہوگیا اور آہستہ آہستہ اس نے پرانی برائی کی جگہ ایک نئے فتنہ کی شکل اختیار کرلی۔ جن لوگوں نے انگلستان، نیدرلینڈ، فرانس اور روس وغیرہ کے انقلابات کی تاریخ پڑھی ہے وہ اس راز سے واقف ہیں۔ جدید انقلابات میں ترکی اور ایران کی مثالیں بھی اس ذیل میں پیش کیجا سکتی ہیں۔ رومن امپائر نے انقلاب کا مقابلہ کرنے کیلئے نظام جاگیرداری (فیوڈل سسٹم) اور کنیسہ کے اتحاد کا ایک سد سکندری قائم کیا تھا۔ اسکا اثر یہ ہوا کہ کنیسہ کے قدیم روحانی اثرات نے کچھ دنوں کیلئے اصلاح پسندوں کے عام مطالبے کو دبا دیا لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ مسیح جو غریبوں کے لئے آسمانی بادشاہت کا پیام لیکر آیا تھا آج اس کے جانشین غریبوں کو برباد کرنیوالوں کے ہاتھوں میں پتھر کا کام دے رہے ہیں تو ان کی آنکھیں کھلیں اور پھر جو انقلاب کا طوفان اٹھا تو کنیسہ، نظام جاگیرداری، اور حکومت سب اسکے زور میں پارہ پارہ ہوگئے۔ ع نہ نادر بجا ماند و نے نادری۔ یہ دنیا کی پھیلی ہوئی تاریخ میں سے چند اشارات ہیں۔ ان کو خوب سمجھ لیجئے اور حافظہ کی مدد سے ان کو نگاہوں کے سامنے پوری طرح پھیلا لیجئے۔

اس عموم میں صرف ہندوستان کے مسلمانوں کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ ان میں جو بیداری پیدا ہوئی، اسمیں ہماری مذہبی جماعت برابر پیش پیش رہی اور اس باب میں ہم کو یقیناً حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے اکابر (اللہ تعالیٰ ان سب کی قبر ٹھنڈی رکھے) کا ممنون ہونا چاہئے کہ دنیا کی تاریخ میں یہ مستثنیٰ حالت صرف انہی بیدار مغز اکابر کے صدقہ سے ہمارے حصہ میں آئی اور پھر ہم کو شکرگذار ہونا چاہئے مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حسین احمد اور ان کے رفقاء کار (اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو توفیق دے کہ انکی قدر پہچانیں) جنھوں نے نہ صرف انقلاب کا ساتھ دیا بلکہ انقلاب کو دعوت دی اور پورے عزم و استقلال

کے ساتھ اسکی قیادت اور تربیت ...... کررہے ہیں۔ ہم کو نہیں معلوم کہ ان اکابر اور ان کے نقش قدم کے موجودہ پیروؤں کو سیاست آتی ہے یا نہیں لیکن ان کے طرز عمل سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ وہ دنیا کی تاریخ سے پوری طرح واقف ہیں اور واقف ہیں کہ انھوں نے ہندوستان میں کوئی ایسا انقلاب دیکھنا پسند نہ کیا جو شتر بے مہار ہو بلکہ چاہا کہ اسکی زمام قیادت خود اپنے ہاتھوں میں لیں، تاکہ انقلاب کے معنی یہ نہ ہوں کہ ایک برائی کی جگہ دوسری برائی نمودار ہوگئی بلکہ ایسا انقلاب ہو جو باطل کی جگہ حق کو دیدے، ظلم و ناانصافی کی جگہ عدل و انصاف کو قائم کردے اور طاقت و اقتدار کا تخت مذہب کو بخشدے۔ ہم کو یقین ہے کہ اگر ہندوستان کے تمام مذہبی پیشواؤں نے اس راز کو سمجھ لیا ہوتا تو یہ انقلاب موجودہ حالت سے زیادہ بہتر حالت میں بڑھتا اور پھیلتا۔ اور یہ جو آج الحاد و بیدینی کی بعض نامانوس صدائیں اور کمیونزم اور سوشلزم کی بعض بے اعتدالیاں اور وحدت دین کی بعض غلط فہمیاں ہم سنتے اور دیکھتے ہیں یہ پیدا نہ ہوتیں۔ یہ تو درحقیقت ان ناسمجھ دینداروں کے جواب (Reaction) کے طور پر ظہور میں آئی ہیں جنھوں نے آزادی کے مطالبہ کو مذہب کے خلاف سمجھا، انگریزی راج کو سایہ خدا قرار دیا اور ہندوؤں کے ساتھ اتحاد کو ارتداد بتلایا۔ ان غلط باتوں کا جواب لوگوں نے غلطیوں سے دیا اور دنیا میں ہمیشہ غلطیاں غلطیوں ہی سے پیدا ہوئی ہیں ع کلوخ انداز را پاداش سنگ است۔ یقیناً اگر ہندوستان کے بیدار مغز علماء و مصلحین کی دعوت قبول کرلی گئی ہوتی اور آج ہماری پوری مذہبی جماعت انقلاب کی صف اول میں ہوتی تو کم از کم جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے یہ تمام نامانوس صدائیں دب گئی ہوتیں اور جب یہ انقلاب اپنی آخری منزل پر پہنچتا تو ہم دیکھتے کہ ہم نے نہ صرف ہندوستان کی تاریخ بدل دی ہے بلکہ دنیا کی تاریخ بھی بدل ڈالی ہے۔ یعنی دنیا کی جدید بیداری کے بعد صرف ہم کو یہ سعادت حاصل ہوتی کہ ہم نے وہ انقلاب پیدا کیا جو ہمارے لئے صرف زمین کی برکتیں ہی نہیں لایا بلکہ اپنے ساتھ آسمان کی رحمتیں بھی لایا۔

لیکن اگر خدا کے فرشتے ہمارے آگے ہیں تو شیطان نے بھی ہمارا پیچھا نہیں چھوڑا ہے۔ ایک طرف ایک چھوٹی سی جماعت حق کی خدمت میں مشغول ہے تو دوسری طرف ایک بہت بڑی جماعت مذہب کی عبائیں ڈھکر حکومت کی مدد کے لئے دنیا میں کنیسہ اور جاگیرداری کے اتحاد کو پھر دہرانا چاہتی ہے اور اگر اللہ تعالیٰ نے اس جماعت کو

مہینے کی مہلت دیدی تو خدانخواستہ ہندوستان میں بھی مذہب کی بربادی کی وہ ٹریجڈی پھر ہم کو دیکھنی پڑے گی جو یورپ اور ٹرکی کے اسٹیج پر ہم دیکھ چکے ہیں کیونکہ ہمیشہ اسی الحاد کے ناجائز رشتہ سے وہ جماعتیں وجود میں آتی ہیں جو بیدینی اور الحاد کا وعظ کہتی ہیں جو کمیونزم اور سوشلزم کی تبلیغ کرتی ہیں، جو اکبر کے دین الٰہی اور وطنیت کے صنم کدہ کا سنگ بنیاد رکھتی ہیں۔ کیونکہ یہ ایک عظیم انسانی غلطی ہے اور غلطیوں کا جواب دنیا ہمیشہ غلطیوں ہی سے دیتی ہے۔ آج تم جنکی بیدینی کو حق کی مخالفت کا بہانہ بناتے ہو اگر غور کرو تو تمھیں معلوم ہوگا کہ انکی پرورش اور رضاعت کا بار تمھیں نے اٹھایا ہے اور یقیناً تمھاری غلط دینداری ہی تھی جس نے مصطفیٰ کمال کو دعوت دی کہ اسکی تلوار صرف یونان کی فوجوں کا نہیں بلکہ ٹرکی کے مذہب کا بھی خاتمہ کر دے۔

یہ جماعت دو قسم کے افراد پر مشتمل ہے، ایک جماعت مدعی مذہب ہے جو فتویٰ لکھتی ہے، وعظ کہتی ہے اور آزادی کے تمام مطالبات کے خلاف قرآن و حدیث سے بزعم خویش دلائل فراہم کرتی ہے اور موجودہ نظام میں کوئی تبدیلی خدا کے آئین و قانون کی تبدیلی قرار دیتی ہے۔ اور اس طرح بےچین اور مضطرب اور مذہب سے بیزار دنیا کو دعوت دیتی ہے کہ وہ اس سے انتقام کیلئے نفس مذہب ہی کا خاتمہ کر دے۔ اور دوسری جماعت وہ ہے جس کی ساری زندگی کا ایک ایک لمحہ، اسکی تمام معلومات کا ایک ایک حرف، اسکی خانگی اور بیرونی زندگی کا ایک ایک عکس، اس کے شب و روز کے اعمال و افعال کا ایک ایک شوشہ مذہب، اسکی روایات، اسکے دینیات اسکی اسپرٹ، اسکے ظاہر، اسکے باطن کے خلاف بغاوت ہے۔ مگر وہ انگریزی جانتی ہے یا جاگیروں کی مالک ہے، اس کو دعویٰ ہے کہ علماء سیاست نہیں جانتے۔ مگر کون علماء، وہ علماء نہیں جو اس کی حمایت میں وعظ کہتے ہیں، صرف وہ علماء جو آزادی اور انقلاب کے داعی ہیں۔ اس لئے کہ یہ انگریزی نہیں جانتے اور انگریزوں کے بنائے ہوئے کانسٹی ٹیوشن کو نہیں سمجھ سکتے۔ پس انکو حق نہیں ہے کہ مسلمانوں کی رہنمائی کریں۔ انکا کام صرف یہ ہے کہ وہ غسل و وضو کے مسئلے بتائیں۔ انھیں مسلمانوں کی عملی زندگی اور سیاست سے کیا تعلق؟

اس بات کا آج اس زور سے وعظ کہا جا رہا ہے کہ عوام اور خواص دونوں پر اس کا جادو چل گیا ہے یہاں تک کہ بعض بیسیوں لوگ بھی یہ کلمہ دہرانے لگے ہیں جو اگر اس کو سمجھ جائیں تو اس کو بدتر از کفر سمجھیں لیکن پروپگنڈے کے جادو نے ان کو بالکل مسحور کر دیا ہے، وہ دوسروں کے بولے ہوئے جملوں کو دہراتے ہیں اور نہیں جانتے کہ یہ مذہب کے خلاف ایک بدترین سازش ہے جس کا آغاز مذہب کے دشمنوں نے کیا ہے۔ اس کے باریک و دوررس نتائج کو ابھی چھوڑ دو صرف ایک موٹی سی بات پر غور کرو کہ اگر یہ کہنا کوئی جرم نہیں ہے کہ علماء کو مسلمانوں کی عملی زندگی کے احوال و معاملات میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے تو بتاؤ آج ان لوگوں کو تم کیوں برا کہتے ہو جو مذہب کے مخالف ہیں؟ دنیا کے سوشلسٹ اور کمیونسٹ اور وہ ہزاروں دعاۃ انقلاب کیوں قابل گردن زدنی ہیں، جو یورپ کی نشاۃ ثانیہ کے محرک ہوئے اور جنکی تھکا دینے والی لمبی فہرست میرے حافظہ میں، اور ان کی منکرانہ صدائیں میرے کانوں میں گونج رہی ہیں۔ تمھارے اپنے لوگوں میں ڈاکٹر اشرف اور جواہر لال اس سے زیادہ کیا کہتے ہیں، صرف اتنا فرق ہے کہ وہ مذہب کو برا کہتے ہیں اور اس کو عملی زندگی کے مسائل سے الگ کرنا چاہتے ہیں اور تم اصحاب مذہب کو برا کہتے ہو اور ان کو عملی زندگی سے نکالکر غسل و وضو کے گڑھے میں دھکیل دینا چاہتے ہو۔ یہ تو محض لفظوں کا فرق ہوا، حقیقت کے اعتبار سے تو بات ایک ہی رہی۔ پھر تم تو دونوں جرموں کے مرتکب ہوئے، تم حاملین مذہب کو برا کہتے ہو اور وہ جماعت جو تمھاری رجعت پسندی کے بطن سے پیدا ہوئی ہے، مذہب اور خدا کو گالیاں دیتی ہے پھر اس کے باور کرنے میں تمھیں کیوں شک ہے کہ آج جو ہندوستان کا مصطفیٰ کمال بننے کا آرزومند ہے اگر کل خدانخواستہ اس کے ہاتھ میں تلوار آگئی تو انگریز تو اس تلوار سے کیا گھائل ہوگا کہ یہ اسی کی بخشی ہوئی ہوگی، البتہ علماء اور حاملین مذہب کو وہ ضرور قتل کرا دے گا کیونکہ تمھارے اس مصطفیٰ کمال کو غسل و وضو کے مسائل کی ضرورت نہ ہوگی پھر خدارا بتاؤ کہ آج اسلامی کلچر اور اسلامی تمدن کی حفاظت کے لئے کیا شئے مقدس جہاد ہے جو تم نے وقت کے صلاح الدین کی قیادت میں شروع کیا ہے؟

یہ مذاق بھی خوب رہا کہ علماء سیاست نہیں جانتے اور انگریزوں کے بخشے ہوئے ملعون کانسٹی ٹیوشن کو

نہیں سمجھتے، کیونکہ وہ انگریزی سے ناواقف ہیں۔ آج معلوم ہوا کہ انگریزی جاننا کتنی بڑی سعادت دارین ہے اور مسلمانوں کی سیاست کا سرچشمہ درحقیقت کہاں ہے! ہم بیوقوف مسلمان ساڑھے تیرہ سو برس سے زیادہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ مسلمانوں کی دینی و دنیاوی زندگی کا دستور العمل، قرآن نامی ایک کتاب ہے اور وہ عربی زبان میں اتری ہے، لیکن دیکھو، وقت کا ہادی اور اسلامی کلچر اور تمدن کا وارث و مورث کیا کہتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تمہاری تمام سیاست کا سرچشمہ انگریزوں کا بخشا ہوا کانسٹی ٹیوشن ہے جس کے سمجھنے کے لئے انگریزی زبان ضروری ہے پس جنھوں نے اپنی زندگیاں قرآن و حدیث، مسلم و بخاری اور ہدایہ و شامی کے شروح و حواشی کے حل کرنے میں برباد کی ہیں وہ صرف غسل و وضو کے مسائل بتائیں، مسلمانوں کی سیاست میں دخل نہ دیں۔

مسٹر جناح بڑے قابل آدمی ہیں، وہ انگریزی ادب اور قانون و سیاست میں امام ہیں، ان کو ناحق دعویٰ کی ضرورت پیش آئی، یہ چیز مسلّم ہے، سنتے ہیں بسمارک نے دو گھنٹوں کے اندر جرمنی کا کانسٹی ٹیوشن املا کرا دیا تھا، وہ اگر راضی ہوں تو ہم ان کو ہندوستان کا بسمارک کہیں، لیکن ہم افسوس کے ساتھ ان کی خدمت میں عرض کریں گے کہ وہ صرف سیاست اور قانون جانتے ہیں، مسلمانوں کی سیاست اور مسلمانوں کا قانون نہیں جانتے۔ مسلمانوں میں مقدس اور قیصر کا کوئی علیحدہ علیحدہ نظام نہیں ہے۔ یہاں تو بس ایک ہی قانون ہے جو غسل طہارت کے مسئلوں سے لیکر ہماری تمام ملی و بین الاقوامی سیاست پر حاوی ہے، عمر فاروقؓ وضو و طہارت کے مسئلے بھی بتاتے تھے اور دنیا کی قوموں کے فیصلے بھی لکھتے تھے اور ان کے سامنے صرف دو ہی چیزیں ہوتی تھیں کتاب اور سنت، اور یہ دونوں صرف باعتبار ظاہر دو ہیں، حقیقت میں ایک ہی ہیں۔ ہم مسٹر جناح کی سیاست دانی پر ایمان لاتے ہیں اور مانتے ہیں کہ وہ بہت سی چیزیں جانتے ہیں۔ لیکن معلوم نہیں ان بہت سی چیزوں کے ساتھ وہ یہ "ایک" چیز بھی جانتے ہیں یا نہیں۔؟ اور صرف جاننے ہی کا سوال نہیں ہے اس پر ایمان بھی رکھتے ہیں یا نہیں؟

یہ چند اجمالی اشارات ہیں، انشاء اللہ آئندہ ہم ان کی تفصیل کریں گے اور چند معروضات حضرات علمائے کرام کی خدمت میں بھی پیش کریں گے۔

معارف قرآن

تفسیر سورۂ مرسلات

تالیف استاذ امام مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ امین احسن اصلاحی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا (۱) فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا (۲) وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا (۳) فَالْفٰرِقٰتِ
فَرْقًا (۴) فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا (۵) عُذْرًا اَوْ نُذْرًا (۶) اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ (۷)
فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ (۸) وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ (۹) وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ (۱۰) وَاِذَا الرُّسُلُ
اُقِّتَتْ (۱۱) لِاَيِّ يَوْمٍ اُجِّلَتْ (۱۲) لِيَوْمِ الْفَصْلِ (۱۳) وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ (۱۴)
وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ (۱۵)

قسم ہے ان کی کہ چھوڑ دی جاتی ہیں، پھر خاک اڑاتی ہیں اور پھیلاتی ہیں، پھر پھاڑتی ہیں، پھر یاد دلاتی ہیں الزام اتارنے کو یا ڈر سنانے کو، کہ جو تم سے وعدہ کیا گیا ہے ضرور ہوگا، جبکہ ستارے چھپ جائیں گے، اور آسمان پھٹ جائے گا، اور پہاڑ اڑیں گے، اور رسولوں کے لئے وقت مقرر ہوگا، کس دن پر یہ ٹلے گئے ہیں۔ فیصلہ کے دن پر، اور فیصلہ کے دن کو تو کیا سمجھا، اس دن منکروں کی خرابی ہے۔

(۱) سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے اس کا تعلق

آخر قرآن کی سورتوں میں بیشتر ابتدائے دعوت کے بنیادی مسائل کا بیان ہے یعنی قیامت، خشیت اور احسان۔ چنانچہ اس سورہ کا عمود بھی یہی تین چیزیں ہیں اور یہی تین ابتدائی نقطے ہیں جو پھیل کر دین کے تمام عناصر کو اپنے دائرہ میں لے لیتے ہیں۔ قیامت کا ڈر لوا ایمان بالقرآن کی اصل ہے کیونکہ قرآن کی پہلی صدا یہی تھی کہ وہ عدل و جزا اور ایک خوفناک دن کے ظہور کی منادی ہے۔ خشیت نماز اور توحید کی اصل ہے۔ اور تیسری چیز یعنی احسان الی الخلق، تمام قوانین اور شرائع کی بنیاد ہے۔

یہ تمام باتیں قرآن مجید میں اپنے اپنے موقع سے نہایت تفصیل و وضاحت کے ساتھ بیان ہوئی ہیں۔ اور اس سورہ میں بھی حسب اقتضائے موقع مختلف اسلوبوں سے ان کا ذکر آیا ہے اور موقع کے اختلاف سے اسلوب کا اختلاف قرآن مجید کی ایک خاص خصوصیت ہے جس سے اہل نظر ناواقف نہیں۔ قرآن مجید نے اپنی اس خصوصیت کی طرف خود اشارہ کیا ہے۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا!

اسی اصول پر اس عام عمود کے مختلف حصے مختلف سورتوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ کسی میں کوئی پہلو نمایاں ہوا ہے کسی میں کوئی۔ اور اسی لحاظ سے طرز خطاب بھی بدل بدل گیا ہے۔ کہیں فکر و احساس کو بیدار کیا گیا ہے اور کہیں عقل اور دل کو دعوت دی گئی ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ان سورتوں میں دلائل کے ساتھ ترغیب و ترہیب بھی حسب اقتضائے بلاغت مختلف شکلوں اور حیثیتوں میں نظر آتی ہے۔

اس معاملہ کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے اس سورہ کو سابق سورہ کے ساتھ ملا کر پڑھو۔ سابق سورہ (سورہ دہر) میں معاد، قرآن، اور نماز کا ذکر ہوا تھا۔ غور سے دیکھو تو اس سورہ میں بھی ان چیزوں کا بیان ہوا ہے لیکن اسلوب بیان بدل گیا ہے۔ سابق سورہ میں جو پہلو مجمل رہ گئے تھے اس سورہ میں وہ پہلو تفصیل کی روشنی میں آگئے ہیں، سابق سورہ میں معاد پر جو استدلال تھا، چند لفظوں میں تھا، اس سورہ میں وہ بسط کے ساتھ ہے۔ سابق سورہ میں معاد کی تصویر کے لئے ترغیب

کا پہلو زیادہ نمایاں کیا گیا تھا۔ اس سورہ میں زیادہ زور ترہیب کے پہلو پر ہے۔ اور انذار و تبشیر دونوں کو ساتھ ساتھ اور برابر رکھنے کے لئے ایسا کرنا اقتضائے بلاغت و مصلحت دعوت کے عین مطابق تھا۔ خدا کے انبیاء ایک ہی ساتھ بشیر و نذیر دونوں ہوتے ہیں۔ وما نرسل المرسلین الا مبشرین ومنذرین

یہ بعض اجمالی اشارات ہیں۔ ان دونوں سورتوں پر اگر پورا تدبر کیا جائے تو ہم نے جن امور کا ذکر کیا ہے وہ اچھی طرح واضح ہو سکتے ہیں۔

(۲) سورہ کے مواقع ترجیع کے متعلق ایک اصولی بحث

یہ سورہ ترجیع والی سورتوں میں سے ہے۔ اس میں ویل یومئذ للمکذبین کا فقرہ دس مرتبہ دہرایا گیا ہے۔ اس اسلوب کی خصوصیات پوری تفصیل کے ساتھ سورہ رحمٰن میں بیان ہو چکی ہیں۔ یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں ہے صرف ایک خاص امر کی طرف ہم یہاں اشارہ کرنا چاہتے ہیں، وہ یہ کہ ترجیع کی خوبی کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے مواقع کے لحاظ سے پوری طرح بامعنی اور موزوں ہو اور جو بات اس سے اوپر بیان ہوئی ہے اس سے پورا ربط و لگاؤ رکھتی ہو۔ اس اعتبار سے ترجیع کے لئے ناگزیر ہے کہ وہ مختلف وجوہ کی جامع ہو تاکہ مختلف مطالب کے ساتھ لگ سکے چنانچہ یہ آیت (ویل یومئذ للمکذبین) اپنے اندر مختلف پہلو رکھتی ہے۔ اور اسی وجہ سے مختلف مواقع کے لئے ٹھیک ٹھیک موزوں ہو گئی ہے۔ اس کے اسلوب اور اس کے تین لفظوں میں بڑی کافی وسعت ہے۔ ذیل میں ہم اس کے بعض پہلوؤں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

(الف) اس کا اسلوب ایسا ہے کہ اس میں انشاء اور خبر دونوں ہونے کی صلاحیت اور دونوں کا احتمال ہے۔ خبری اسلوب کا مقصد یا تو اس امر کا بیان ہوگا کہ ان منکرین کے لئے ہلاکت اور خرابی ثابت ہے۔ مثلاً

فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ

پس ان کے لئے خرابی ہے اس چیز کے باعث جو ان کے ہاتھوں نے لکھا اور اس چیز کے سبب جو وہ کما رہے ہیں۔

یا ان کے اس قول کا بیان مقصود ہو جو وہ قیامت کے دن کہیں گے اور ان کا یہ قول قرآن مجید میں مختلف جگہ نقل ہوا ہے۔ مثلاً قالوا یٰویلنا ھٰذا یوم الدین۔ دوسری جگہ ہے قالوا یٰویلنا من بعثنا من مرقدنا۔

لفظ ویل کی بار بار تکرار میں بھی ایک خاص راز ہے۔ اگر اس سے اثبات ویل کا مفہوم سمجھا جائے تب تو اس تکرار کا یہ فائدہ ہوگا کہ اس سے اسباب ویل کی کثرت واضح ہوگی اور اگر یہ قیامت کے دن ان کے قول کی نقل ہو تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اس دن اس کے بہت سے مواقع پیش آئیں گے اور وہ ہر موقع پر اپنی خرابی کا ماتم کریں گے۔ بعض آیات سے اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔ مثلاً فرمایا۔

وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ	اور جب وہ ڈال دیئے جائیں گے اس کی کسی تنگ
دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ۝ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا	جگہ میں باندھ کر پکاریں گے اس وقت ہلاکی کو۔ آج ایک ہی
وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا	ہلاکی کو نہ پکارو، بہت سی ہلاکیوں کو پکارو

اس سے معلوم ہوا کہ اس دن ہلاکت کے اسباب اور مواقع دونوں ہی بے شمار ہوں گے۔

(ب) لفظ 'ویل' خود ایک جامع لفظ ہے۔ وہ تمام چیزیں اس کے تحت میں آگئیں جو خرابی کا سبب ہو سکتی ہیں۔ غم، حسرت، پریشانی، عذاب قیامت، ہر چیز پر یہ حاوی ہے۔ بعض جگہ قرآن مجید میں اس چیز کی تصریح کر دی جاتی ہے جو ویل کا سبب ہوگی مثلاً ویل للکافرین من عذاب شدید اور خرابی ہے کافروں کے لئے عذاب سخت کے سبب سے۔ دوسری جگہ ہے فویل لھم مما کتبت ایدیھم وویل لھم مما یکسبون۔ پس خرابی ہو ان کے لئے اس چیز کے باعث جو ان کے ہاتھوں نے لکھا اور اس چیز کے سبب جو وہ کماتے ہیں۔ فویل للذین کفروا من یومھم الذی یوعدون پس ہلاکی ہو کافروں کیلئے ان کے اس دن کے سبب جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔

الغرض لفظ ویل کسی خاص امر کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ اوپر یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ چونکہ اس کے اسباب بہت سے ہوں گے اس لئے اس کے مواقع بھی بہت سے آئیں گے۔

(ج) 'یومئذ' کا لفظ ان تمام چیزوں کی طرف اشارہ کر رہا ہے جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ جس دن ایسا ایسا ہوگا پس اس کے حدود کی تعیین موقع کے لحاظ سے ہوگی۔

(د) 'مکذبین' کا لفظ ایک جامع لفظ ہے۔ اصلاً یہ بعث اور آیات توحید کے انکار کے لئے آیا ہے لیکن تفصیلات میں رسول اور کتاب اللہ کی تکذیب بھی اس میں داخل ہے۔ قرآن مجید نے جا بجا ان تمام پہلوؤں کی تصریح کر دی ہے۔ اور بعض آیات میں اس امر کو بھی واضح کر دیا ہے کہ جو اصل کا منکر ہوگا وہ لازماً اس کے فروع اور تفصیلات کا بھی منکر ہوگا۔ مثلاً فرمایا۔

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَ	اور جب تم قرآن سناتے ہو تو ہم ڈال دیتے ہیں تمہارے درمیان اور
بَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ	ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ایک پوشیدہ پردہ
حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ۝ وَّجَعَلْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ	اور ڈال دیتے ہیں ان کے دلوں پر غلاف کہ اس کو نہ سمجھیں
اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا	اور ان کے کانوں میں بہرا پن پیدا کر دیتے ہیں اور جب
وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ	تم قرآن میں خدا کو تنہا یاد کرتے ہو تو یہ نفرت کے ساتھ
وَلَّوْا عَلٰٓي اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا	پیٹھ پیچھے بھاگتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ چونکہ وہ قیامت اور توحید کے منکر ہیں اس لئے لازماً اس چیز کا سننا بھی ان پر شاق ہے جو ان چیزوں کی طرف ان کو دعوت دیتی ہے۔ یہاں یہ اجمالی اشارہ کافی ہے، اپنے مقام پر پورے شرح و بسط کے ساتھ اس کی تفصیل موجود ہے۔

اس روشنی میں آیت ویل کا ظاہری اشارہ تو منکرین قیامت ہی کی طرف ہوگا لیکن سورہ کی آخری آیات اس کے ایک اور پہلو تکذیب قرآن کی طرف بھی اشارہ کر رہی ہیں۔ اور حقیقت کے اعتبار سے ان دونوں میں صرف اجمال و تفصیل کا فرق ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ آیت ترجیع کے متعدد پہلو ہیں، پس سیاق و سباق سے جو پہلو زیادہ لگتا ہوا

ہوگا، اختیار کر لیا جائے گا۔ یہ اصولی بحث بطور مقدمہ ذہن نشین رکھنی چاہیے۔ ہم آگے موقع موقع کے اعتبار سے آیت کے مختلف پہلوؤں میں سے جو پہلو اقرب ہوگا اس کو بیان کر دیں گے۔

(۳) لفظوں کی تفسیر اور بعض جملوں کی تاویل

(۱ - ۱۵)

[والمرسلت عرفا] عربی میں ارسل الشئ 'امسکہ' کا ضد ہے۔ ارسل الشئ کے معنی ہوں گے کسی بندھی ہوئی چیز کو چھوڑ دیا، آزاد کر دیا۔ ہوا رکی ہوئی ہے تو گویا بندھی ہوئی ہے، جب چلنے لگی تو گویا چھوڑ دی گئی۔ فرمایا وارسلنا الریاح لواقح۔ (عرف) ناصیۃ الفرس۔ گھوڑے کی ایال کے وہ بال جو پیشانی پر لٹکتے ہوتے ہیں۔ یہ عربی لغت کا نہایت مشہور لفظ ہے۔ امراء القیس کا شعر ہے:-

نمشی باعراف الجیاد اکفنا　　اذا نحن قمنا عن شواء مضہب

جب شکار کا کچا پکا گوشت کھا کر اٹھتے تھے تو گھوڑوں کی ایال میں اپنا ہاتھ پونچھ لیتے تھے۔

یہاں ہواؤں کو گھوڑوں سے اور ان کے چلنے اور رکنے کو گھوڑے کی پیشانی کے بال پکڑنے اور چھوڑنے سے تشبیہ دی ہے۔ اس تشبیہ سے اس حقیقت کا اظہار مقصود ہے کہ ہواؤں کا چلنا اور ٹھہرنا اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتا ہے وہی مالک اور متصرف ہے۔ (وما من دابۃ الا ھو اٰخذ بناصیتہا)

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ہواؤں کا چلنا فائدہ اور نقصان دونوں کے لئے ہوتا ہے۔ قرآن مجید نے اس کی تصریح کر دی ہے۔

محض ارسال کا لفظ شدت کے اظہار کے لئے کافی نہ تھا، اس لئے عاصفات کو اس 'ف' کے ذریعہ عطف کیا۔

[والعصفت عصفا] یعنی چلنے کے بعد سخت ہو جاتی ہے۔ ایسی ہوا عموماً نقصان کے لئے ہوتی ہے۔

حَتّٰٓی اِذَا كُنْتُمْ فِی الْفُلْكِ وَجَرَیْنَ　　یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں ہوتے ہو اور وہ ان کو
بِهِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا　　لیکر چلتی ہیں موافق ہوا کے ساتھ اور وہ اس سے خوش

رِیْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ　　ہوتے ہیں آجاتی ہے ان پر تند ہوا اور گھیر لیتی ہیں
مَكَانٍ الآیہ　　موجیں ہر طرف سے۔

[والنشرت نشرا] نشر کے معنی ہیں کسی چیز کو پھیلا دینا، چھینٹ دینا، برانگیختہ کر دینا، اگا دینا، یہ سب معنی قریب قریب ہیں۔ قرآن مجید میں یہ لفظ مختلف موقع پر مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے۔ ایک جگہ ہے واذا الصحف نشرت، دوسری جگہ ہے وھو الذی ینزل الغیث من بعد ما قنطوا وینشر رحمتہ۔ ایک جگہ فرمایا وجعل النھار نشورا۔ یہاں ناشرات سے ہوائیں مراد ہیں اس لئے کہ ان میں نشر کے مختلف پہلو پائے جاتے ہیں۔ یہ بادلوں کو ابھارتی ہیں، پھر فضا میں ان کو پھیلاتی ہیں، پھر اپنے رب کی رحمت کو چھینٹتی ہیں اور نباتات کو اگا کر زمین کو سر سبز و شاداب بنا دیتی ہیں اور چونکہ یہ مستقل وصف تھا عصف سے متعاقب نہ تھا اس لئے حرف عطف واؤ آیا۔

[فالفرقت فرقا] ہوائیں فرق و امتیاز کرتی ہیں —— یعنی کبھی بارش کو لاد کر لاتی ہیں اور کبھی بادلوں کو اڑا لیجاتی ہیں۔ کسی قوم کو نفع پہنچاتی ہیں کسی کو ضرر، سورہ ذاریات میں، ہواؤں کے ان تصرفات کو آیت فالمقسمت امرا، کے تحت میں ہم بیان کر آئے ہیں۔ چونکہ یہ فرق و امتیاز نشر کے بعد نمایاں ہوتا ہے اس لئے عطف 'ف' کے ذریعہ ہوا۔

[فالملقیت ذکرا] قرآن مجید میں اکثر جگہ یہ بات بیان ہوئی ہے کہ ہواؤں کی تصریف میں اللہ تعالیٰ کی نشانی اور یاد دہانی ہے۔ اسی سببیت کے تعلق کی وجہ سے، عام قاعدہ کے مطابق فعل کی نسبت ہواؤں کی طرف کر دی۔ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں، اضلال کی نسبت اصنام کی طرف کر دی گئی ہے۔

وَاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ　　اور مجھکو اور میری اولاد کو اس سے بچا کہ ہم بت پوجنے لگیں،
رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ　　میرے پروردگار ان بتوں نے لوگوں میں سے ایک خلق کثیر کو گمراہ کر رکھا ہے۔

. . . .

پس ہواؤں کی تصریف کے بعد اس امر کو یاد دلایا کہ ہوائیں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے قانون قضا، بالحق کا اعلان کرتی ہیں۔

[عذرا او نذرا] یعنی یاد دہانی جو ہواؤں کی تصریف کے ذریعہ ہوتی ہے اس کا مقصد غافلوں پر اتمام حجت اور ہوشیاروں کو انذار کا پیام پہنچانا ہے۔ "او" تقسیم کے لئے ہے۔ قرآن مجید میں ایک جگہ مصلحین کا قول نقل ہوا ہے اس میں اس مفہوم کی تصریح ہو گئی ہے۔

وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ	اور جبکہ کہا ان میں سے ایک گروہ نے تم کیوں نصیحت
قَوْمَا نِ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ	کرتے ہو ایسے لوگوں کو جن کو اللہ ہلاک کرنیوالا ہے
عَذَابًا شَدِيْدًا قَالُوْا مَعْذِرَةً	یا سخت عذاب دینے والا ہے، بولے تمھارے رب کے
اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ	حضور میں معذرت کے لئے اور تاکہ وہ ڈریں۔

یعنی جو لوگ ہماری باتوں کو نہ مانیں گے ان کے حق میں ہماری طرف سے یہ معذرت ہوگی اور جو لوگ سنیں گے ان کو اس سے نفع پہنچے گا۔

[انما توعدون] یہ ایک عام لفظ ہے۔ قیامت، بعث، فیصلہ اور روز جزاء کے متعلق جو وعدے کئے گئے ہیں، وہ سب اس میں آگئے۔ قرآن مجید میں اس کی جو نظیریں ہیں ان میں جگہ جگہ ان تمام چیزوں کی تصریح ہو گئی ہے اور چونکہ ان سب کی حقیقت ایک ہی ہے اس لئے یہاں اجمال کے ساتھ ان کو ذکر کر دیا، تفصیل نہیں فرمائی۔

[طمست] طمس الشئی کے معنی ہیں کسی چیز کو مٹا دیا۔ اس کے تمام نشانات و آثار محو کر دیئے۔ مثلاً فرمایا: من قبل ان نطمس وجوھا فنردھا علی ادبارھا۔

[واذا السماء فرجت] اس کے نظائر متعدد ہیں مثلاً وفتحت السماء فکانت ابوابا۔ نیز واذا السماء انفطرت۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ آسمان جو تمھیں بالکل ٹھوس اور سپاٹ نظر آتا ہے۔

جس میں کوئی شگاف یا دراڑ نہیں دکھائی دیتا (وما لھا من فروج) (فارجع البصر ھل تری من فطور) باوجود اس مضبوطی اور استحکام کے تم دیکھو گے کہ خدا کے حکم سے اس میں شگاف پڑ گئے ہیں۔

[واذا الجبال نسفت] نسف کے معنی ہیں، ریزہ ریزہ کر دینا، منتشر کر دینا، بھس دینا، جھاڑ دینا، اڑا دینا۔ منساف اس آلہ کو کہتے ہیں جو گیہوں کو بھس سے الگ کر دیتا ہے۔ قرآن مجید میں یہ لفظ کئی جگہ آیا ہے۔ وانظر الی الھک الذی ظلت علیه عاکفا لنحرقنه ثم لننسفنه فی الیم نسفا۔ دوسری جگہ ہے۔ ویسئلونک عن الجبال فقل ینسفھا ربی نسفا فیذرھا قاعا صفصفا۔

[اقتت] "وقتت" کی تبدیل شدہ صورت ہے۔ جیسے وجوہ سے اجوہ۔ توقیت کے معنی ہیں وقت متعین کرنا۔ مطلب یہ ہے کہ انبیاء کے لئے وقت متعین کیا جائے گا۔ عربی میں یہ اسلوب بہت عام ہے۔ مثلاً بولیں گے، ابغنی خادماً، ارسلنی فرسا۔ اور مطلب یہ ہوگا کہ ابغ لی خادما وارسل الی فرسا۔ پس آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ انبیاء کے لئے حاضری کا ایک وقت متعین کیا جائے گا اور اس میں ان سے ان کی امت کے متعلق سوال کیا جائے گا اور ان کی شہادتوں کے مطابق فیصلہ ہوگا۔ یہاں یہ مضمون مجمل صورت میں ہے لیکن دوسری آیت میں اس کی پوری تصریح ہو گئی ہے۔

[اجلت] اجل له۔ اس کے لئے ایک مدت ٹھہرا دی۔ ایک وقت متعین کر دیا۔ فرمایا وبلغنا اجلنا الذی اجلت لنا (ہم اس مدت کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لئے ٹھہرا دی تھی) اس کے اسلوب کے باب میں دو تاویلیں ممکن ہیں، یا تو وہ تاویل اختیار کر لیجئے جو "وقتت" کے متعلق اوپر گذر چکی ہے۔ یا اجلت الاجال کے معنی لے لیجئے۔ دونوں صورتوں میں مفہوم کے اعتبار سے کوئی فرق نہ ہوگا۔

[وما ادراک] یعنی وہ دن عظیم الشان ہوگا۔ یہ اسلوب استفہام کبھی کبھی محض تفخیم کے لئے آتا ہے اور اس صورت میں جواب سے مستغنی ہوتا ہے۔ مثلاً الحاقة، ما الحاقة، وما ادراک ما الحاقة، کذبت ثمود وعاد بالقارعة

[ویل یومئذ للمکذبین] اس آیت کے مختلف پہلوؤں کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ یہاں صرف

مناسب مقام امور کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ٹکڑا واذا النجوم طمست الآیہ کا جواب نہیں ہے۔ اسکی متعدد وجوہ ہیں۔

(۱) اس کے جسقدر نظائر ہیں ان میں معنوی تعلق کے باوجود، اسکی حیثیت بالکل مستقل ہے۔

(۲) اس طرح کی شرط کے موقع پر، جواب پر فا آتی ہے۔ الا آنکہ جواب جملہ فعلیہ یا ظرفیہ ہو۔ مثلاً فاذا نقر فی الناقور فذلک یومئذ یوم عسیر۔ دوسری جگہ ہے۔ یوم تمور السماء مورا وتسیر الجبال سیرا فویل یومئذ للمکذبین۔

(۳) اس قسم کا نظم میں جواب محذوف ہوتا ہے۔ مثلاً اذا السماء انشقت واذنت لربها وحقت واذا الارض مدت والقت ما فیها وتخلت واذنت لربها وحقت، یا ایها الانسان انک کادح۔ الآیہ اس میں جواب محذوف ہے۔ اس لئے کہ سیاق کلام سے خود واضح ہے۔

(باقی)

تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن

(بزبان عربی)

تفسیر ہذا عربی زبان میں مفسرین کے متفقہ اصول القرآن یفسر بعضہ بعضا پر لکھی گئی ہے جسے ظاہری و باطنی خوبیوں کے باعث اہل علم حضرات نے پسند فرمایا ہے، ہندوستان کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی بیحد مقبول ہو چکی ہے۔ بعض مدارس میں بطور نصاب (جلالین کی طرح) پڑھائی جا رہی ہے۔ ہر آیت کی تفسیر میں قرآن مجید کی دوسری آیت سے استشہاد کیا گیا ہے۔ مصری رنگ کے کاغذ پر اعلیٰ کتابت و طباعت کے ساتھ طبع کرائی گئی ہے، سارے قرآن کی تفسیر ہے، قیمت للعہ

ملنے کا پتہ: **منیجر دفتر اہلحدیث امرتسر**

اِبْرٰهِیْمَ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ	اور اس میں بھی تمہارا نام وہی ہوا، تاکہ رسول تم پر
وَفِیْ هٰذَا لِیَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِیْدًا	گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ ہو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
عَلَیْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ	. . . .

"ھو سمٰکم المسلمین من قبل" اسی نے تمہارا نام مسلم رکھا اس سے پہلے۔ اس میں حضرت ابراہیم کی اس دعا کی طرف اشارہ ہے جس میں انھوں نے دعا کی ہے کہ "من ذریتنا امۃ مسلمۃ لک" اور ہماری ذریت میں سے اپنی ایک فرمانبردار امت اٹھا۔

اس خاص مقصد کے لئے ایک خاص امت اس لئے اٹھائی گئی کہ اس کے ذریعہ یہ نعمت تمام دنیا پر عام ہو اور ابراہیم کی نسل تمام عالم کے لئے خیر و برکت کا سرچشمہ قرار پائے۔ چنانچہ توراۃ میں جہاں یہ واقعہ ذبح بیان ہوا ہے اس کی طرف نہایت واضح اشارہ ہے۔

"اور میں اس وجہ سے کہ تو نے یہ کام کیا اور اپنے اکلوتے بیٹے کو مجھ سے بچا نہ رکھا تجھکو برکت دوں گا اور تیری نسل کو بڑھاؤں گا .... اور تیری نسل سے زمین کی تمام قومیں برکت پائیں گی کیونکہ تو نے کہا مانا" (تکوین)

اس آخری ٹکڑے کا مطلب یہ ہوا کہ چونکہ یہ امت تمام دنیا میں دین خالص اور توحید کامل کی اشاعت کرے گی اس لئے اس کے ذریعہ میری برکت تمام دنیا کی قوموں کو پہنچے گی اور یہی معنی ہیں "وتکونوا شہداء علی الناس" (اور تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو) اور "وجاھدوا فی اللہ حق جہادہ" (اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو پورا جہاد) کے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو اس عظیم الشان مقصد کی انجام دہی کے لئے چن لیا ہے، پس تمہاری تمام جدوجہد اور سرگرمی کا محور یہی مقصد ہونا چاہئے۔ تم اللہ کی راہ میں قربان ہو چکے ہو۔ تمہاری زندگی او دعوت اللہ تعالیٰ کیلئے ہے۔ اور اپنی اسی خصوصیت کی وجہ سے تم لوگوں پر اللہ کے گواہ اور ان کے ہادی و رہبر بنائے گئے ہو۔

اچھا، اب اس پوری تفصیل پر دوبارہ نظر ڈالو، اور غور کرو کہ اس سے کیا کیا باتیں معلوم ہوئیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہی وہ کامل اسلام ہے جو ملت ابراہیمی کی اصل حقیقت ہے۔ اسی کی تکمیل اور تفصیل کے لئے اللہ تعالیٰ نے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا، اسی کا نام اسلام رکھا اور اس کے پیرؤوں کو مسلم کا لقب بخشا، پھر اسی کی دعوت و تبلیغ کے لئے ذریت ابراہیمؑ میں سے جو دین حنیفی کے مرکز بیت اللہ الحرام کے پاس آباد تھی، ایک خاص امت مسلمہ مبعوث فرمائی اور پھر غور کرو کس خوبی و اختصار اور جامعیت کے ساتھ یہ تمام اشارات آیت ذیل میں جمع ہو گئے ہیں۔

اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ	اپنے رخ کو سیدھا کرو، دین کے لئے یکسو ہو کر، یہ
اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا، لَا	اللہ کی بنائی ہوئی فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو
تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ	پیدا کیا ہے، اللہ کی بنائی ہوئی فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ	یہی سیدھا فطری دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے

اب غور کرو، جن لوگوں کا خیال یہ ہے کہ یہ امتحان جبل یروشلم پر واقع ہوا اور ذبیح ہونے والے حضرت اسحاقؑ ہیں وہ سرور کونین صلعم کی بعثت عظمیٰ کی اصل حقیقت اور مذہب اسلام کے اندر اس قربانی کی اصلی عظمت و اہمیت سے کس قدر بیگانہ ہیں!

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں بہت سی آیتیں ایسی ہیں جن کی صحیح تاویل اور جن کے صحیح نظم کا سمجھنا اسی مسئلہ کی تفصیلات کے سمجھنے پر منحصر ہے۔ اس دعوی کی بعض دلیلیں تم کو اوپر کی سطروں میں مل چکی ہیں اور بعض اس کتاب کی آئندہ فصلوں میں آئیں گی۔ تفسیر نظام القرآن میں تمام متعلق آیات کے تحت میں ان مباحث سے تعرض کرنا تکرار و اطناب کا باعث ہوتا اس لئے ہم نے اس معاملہ کی تمام مشکلات کے حل کے لئے اپنی یہ کتاب خاص کی بس اس کو ہماری تفسیر کا مقدمہ سمجھنا چاہئے۔ ضرورت کے وقت ہم اس کا حوالہ دیدیں گے۔

۳۔ تیسری وجہ یہ ہوئی کہ یہود نے اس واقعہ کے چھپانے کے لئے جو کوشش کی وہ کوشش کسی واقعہ کو بھی چھپانے کے لئے نہیں کی۔ حضرت اسمٰعیلؑ اور خانہ کعبہ کے معاملہ میں ان کی تحریفات اور ان کے جھوٹ کا طومار بے پایاں ہے۔ ان میں سے بعض کا ذکر (فصل ۳۲) اور دوسری فصلوں میں آئے گا۔ تورات میں یہ ذبح کا واقعہ بیان ہوا ہے لیکن اس پر یہود نے تحریفات کے اتنے پردے ڈالدئے ہیں کہ اصل حقیقت بالکل مسخ ہو کر رہ گئی ہے، قرآن مجید نے یہ تمام

پردے ہٹا کر معاملہ کے اصلی چہرہ کو بالکل بے نقاب کر دیا ہے۔ اور اس معاملہ میں بحث و نظر کی ایک مخصوص روش اختیار فرمائی ہے جس کے دو خصوصیتیں یہاں قابل ذکر ہیں۔

(الف) یہود کے تمام صحیفوں کا متفقہ بیان یہ ہے کہ اللہ تعالی نے ابراہیم علیہ السلام کو صراحت کے ساتھ یہ حکم دیا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر دیں۔ لیکن قرآن مجید کا بیان اس کے خلاف ہے، وہ کہتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے خواب میں دیکھا کہ وہ بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید اس سے ارفع ہے کہ وہ کسی بات کو یہود سے لے یا ان کی مسخ شدہ کتابوں کو اپنا ماخذ بنائے۔ بلکہ وہ مہیمن اور مصلح ہے۔ یہود نے اپنی کتابوں میں جو تحریفات کر دی ہیں وہ ان کا پردہ چاک کرتا ہے۔ اور ان کی ملائی ہوئی غلطیوں کی تصحیح کر کے اصل حقیقت سامنے رکھدیتا ہے۔ وللہ الحمد

(ب) یہود نے ذبیح کے واقعہ میں جگہ جگہ بالکل بے ڈھنگے طور پر حضرت اسحاقؑ کا نام ڈالدیا ہے۔ اور یہ سب سے زیادہ بھونڈی تحریف تھی جس کے یہود مرتکب ہوئے۔ قرآن مجید نے اس طرح کی بھونڈی تحریفات سے تعرض بوجوہ (جنکی تفصیلات فصل ۳ میں ملیں گی) اپنے وقار حکمت کے منافی سمجھا، اس لئے کھلے لفظوں میں اس کی تردید نہیں فرمائی اور اس کی ضرورت بھی نہ تھی، یہود نے بعض جگہ بلاشبہہ حضرت اسحاقؑ کا نام ڈالدیا تھا لیکن کلام کی باقی تمام شہادتیں ان کی تحریف کی پردہ دری کے لئے بالکل کافی تھیں۔ راہ کے بعض نشانات تو انھوں نے ضرور مٹا دئے لیکن راہ کو بند کر دینا ان کے بس میں نہ تھا۔ لیکن چونکہ یہ تحریف ان کی خواہشوں کے بالکل موافق تھی۔ اس لئے فوراً دلوں میں رچ گئی اور پھر انھوں نے اس کو اس مضبوطی سے پکڑا کہ ان کے سلف و خلف سب اس پر متفق ہو گئے، ایک آواز بھی اس کی مخالف نہیں رہ گئی۔ اور بدقسمتی سے جو لوگ صحیح اور غلط میں امتیاز کے عادی نہیں ہوتے۔ وہ عام اور مشہور باتوں سے بہت جلد متاثر ہو جاتے ہیں۔ یہی صورت اس معاملہ میں بھی پیش آئی یہود نے صدا ایسے اتفاق رائے اور زور و قوت کے ساتھ بلند کی کہ عام و خاص سب یہی بولی بولنے لگے۔ اس ہمہ گیر ہنگامہ نے ہمارے بعض ان علماء کو بھی متاثر کر دیا، جو یہود سے روایات لینے میں کوئی حرج نہیں خیال کرتے تھے اور ان کے صحیفوں کے

باب میں حسن ظن رکھتے تھے۔ مثلاً علامہ ابن جریر رحمہ اللہ۔ انھوں نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے کہ وہ قوموں کے حالات کے بارہ میں خود اس قوم کے افراد کے بیانات پر اعتماد کرتے ہیں، ہمارے نزدیک یہ تسامح ان حضرات سے اسو جہ سے ہوا کہ وہ یہود کے صحیفوں کی حقیقت اور اصلی اور موجودہ تورات میں۔ جو محض چند مخلوط روایات کا مجموعہ ہے۔ پوری طرح فرق نہ کر سکے۔

لیکن یہ غلط فہمی صرف بعض علماء کو ہوئی۔ دوسرے علمائے اسلام جو نقد و نظر کی قابلیت رکھتے تھے انھوں نے خود تورات کے نصوص و دلائل سے یہ ثابت کر دیا کہ ذبیح دراصل حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تھے۔ تاہم اس اختلاف رائے کا یہ نتیجہ کم از کم ضرور ہوا کہ اس مسئلہ کی اہمیت نگاہوں میں گھٹ گئی، بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ اس اختلاف کا باعث زیادہ تر اس کی عدم اہمیت کا احساس ہی ہوا۔ اگر لوگوں کو معلوم ہوتا کہ اس معاملہ ذبح کو ہماری ملت میں کیا درجہ حاصل ہے تو اس باب میں ان سے جو غفلت ہوئی وہ ہرگز نہ ہوتی۔ ان تین اسباب نے ہم کو آمادہ کیا کہ اس مسئلہ کو پوری طرح بے نقاب کر دیا جائے۔ چنانچہ میں نے یہ کتاب لکھی۔ واللہ ھو الموفق للحق والصواب۔

یہ کتاب مقدمہ کے علاوہ تین قسطوں اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔

قسط اول میں تورات، اور علمائے اہل کتاب کے بیانات و اعترافات سے استدلال ہے تاکہ یہ دلائل اہل کتاب پر حجت ہو سکیں۔

قسط ثانی میں قرآنی دلائل و نصوص سے بحث کی گئی ہے۔

قسط ثالث میں۔ احادیث و آثار، اقوال علمائے مشاہیر، احوال عرب اور اقوال عرب قبل از اسلام سے استدلال ہے۔

خاتمہ میں۔ ان تمام مباحث پر ایک جامع نظر ڈالی گئی ہے۔

ان اشارات کے بعد اب ہم اصل مسئلہ کو شروع کرتے ہیں و نسأل اللہ تعالیٰ التائید والتسدید و هو الولی الحمید

(باقی)

مذاکرہ

مُصَدِّقاً لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ

(از مولانا سید محمد طٰہٰ اشرف صاحب ضیا منتھوی)

اس آیت کی تاویل کے باب میں مولوی بدر الدین صاحب اصلاحی اور مولانا سید محمد طٰہٰ اشرف صاحب میں جو مذاکرہ ہو رہا تھا یہ اسکی آخری قسط ہے۔ اب اس پر مزید بحث و نظر کی ضرورت نہیں، دونوں صاحبوں نے اپنے اپنے خیالات و دلائل بیان کر دیئے ہیں، ناظرین خود فیصلہ کریں گے کہ حق کیا ہے اور قوت استدلال کس کے ساتھ ہے۔ ہم دونوں صاحبوں کو مبارکباد دیتے ہیں کہ اس مذاکرہ قرآنی کی علمی و مذہبی شان کو نہایت ضبط و احتیاط کے ساتھ باقی رکھنے کی کوشش کی گئی اور قلم کہیں بھی بحث کے متعین حدود سے متجاوز ہو کر دلوں کو زخمی کرنے کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔ ہماری دلی خواہش ہے کہ اس طرح کے مفید مباحث پر ان صفحات میں بحث و نظر ہو، اور لوگ ان سے فائدہ اٹھائیں۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں دوستوں کو فہم قرآن کا ذوق عطا فرمائے اور ان کی کوششوں سے مسلمانوں کے لئے تدبر قرآن کی راہیں باز ہوں۔

مولانا سید محمد طٰہٰ اشرف صاحب نے مجھکو بھی اس عنوان پر اظہار خیالات کی دعوت دی ہے۔ لیکن اس وقت لوگ اس بحث سے آسودہ ہیں۔ اگر ضرورت داعی ہوئی تو انشاءاللہ کسی فرصت میں اپنی ناچیز معروضات پیش کرنیکی جرأت کروں گا۔ (اڈیٹر)

الاصلاح بابت جون و جولائی ۱۹۳۶ء میں خاکسار اشرف کی حقیر معروضات کے جواب میں مخلص محترم جناب مولوی بدر الدین صاحب بدر اصلاحی نے اس ہیچمدان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے نہایت شرح و بسط کے ساتھ ایک مقالہ سپرد قلم فرمایا ہے، سب سے پہلے میں اپنے فاضل دوست کا شکریہ ادا کروں، کہ اس دور نفسانیت میں انھیں میری تنقید سے کوئی تکلیف نہیں پہونچی اور اتنے طول طویل مضمون میں انھوں نے کہیں بھی

متانت وسنجیدگی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا، اور پھر اس امر کا شکریہ مزید کہ انھوں نے ایک طالب قرآن کے لئے اتنی زحمت گوارا فرمائی۔ فجزاھم اللہ خیرالجزاء۔

گرچہ یہ کوئی اصولی مسئلہ نہیں، جس پر اختلاف کسی اہم نتیجہ تک منتہی ہوتا، لیکن کم از کم اس سے "تدبر فی القرآن" کی عادت پڑتی ہے، اور قرآن میں بے ضرورت اجتہاد و تاویل کا سدباب ہوتا ہے۔ اس لئے میں چاہتا تھا، کہ تفصیل کے ساتھ اس موضوع پر تبادلۂ خیالات کروں، لیکن اپنی پریشانیوں اور الجھنوں میں اس طرح مبتلا رہا کہ سارے خیالات، خیالات پریشاں ہو کر اڑ گئے، اور آج بھی اس طویل وقفہ کے بعد جو کچھ لکھ رہا ہوں اپنی خواہش کے خلاف نہایت اختصار کے ساتھ، امید کہ میرے محترم دوست مزید غور فرمائیں گے۔

میرا مقصد چونکہ بحث ومناظرہ نہیں، محض افہام وتفہیم ہے، اس لئے آپ کے مضمون کی تردید اور آپ کے طول وطویل مقالہ کے جواب کے بجائے، بہتر یہ ہے، کہ اپنے دلائل کو ایک دفعہ پھر مزید وضاحت وترتیب کے ساتھ پیش کردوں، جن سے آپ سرسری طور پر گزر گئے ہیں، اور ان دشواریوں کا حل بھی، جو اس عام اور مسلّمہ معنی کے قبول میں آپ پیش فرما رہے ہیں، تاکہ یہ رکاوٹیں دور ہو جائیں، اور اختلافات طے ہو سکیں۔

آپ کے اختیار کردہ معنی سے میرے اختلاف کی وجہ ہرگز یہ نہیں ہے، جیسا کہ آپ نے سمجھا ہے اور مجھے الزام دیا ہے کہ میں اس خیال کا حامی یا مدعی ہوں کہ "نزول قرآن کے زمانے میں صحف سماوی کے اصل اور صحیح نسخے زیادہ نہ سہی دو ایک ضرور موجود تھے۔" بلکہ یہ ان لوگوں کے خیالات کی ترجمانی تھی، جو اس کے مدعی ہیں، اور انھیں کے دلائل کی طرف سرسری اشارہ تھا، اور اس لئے آپکے اجتہاد و اختلاف کی بنیادی کمزوریاں چھیڑی ہیں۔ اسی لئے آگے چل کر میں نے اس دلیل سے اعراض کرتے ہوئے دوسری دلیلوں سے حجت قائم کی ہے، کہ اختلاف کے بعد یہ دلیل نہ میرے کام کی ہے، نہ آپ کے کام کی، ورنہ اس موضوع پر ابھی کافی بحث ونظر کا موقع تھا۔ میری اصل دلیلیں تو یہ ہیں:۔

(۱) اسلام دین فطرت ہے، اور اسی دین فطرت اور شریعت اسلام کی تمام انبیاء علیہم السلام

تبلیغ واشاعت فرماتے رہے، اس لئے تمام کتابیں ایک دوسرے کی مصدق آئیں

(۲) اور چونکہ یہی قرآن تمام اگلی کتابوں میں تھا اس لئے یہ تمام کتابوں کا مصدق ہوا، یہانتک تو آپ کو بھی اعتراف ہے، کہ بلاشبہہ ہر وحی آسمانی دوسری وحی آسمانی کی مصدق ہوتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ہر وحی آسمانی دوسری وحی کی مصدق کیونکر ہوئی؟ کیا ہر وحی آسمانی کے نزول کے وقت اس سے پہلی کتابیں صحیح وغیر محرف حال میں موجود تھیں؟ مثلاً انجیل تورات کی مصدق ہے، تو کیا نزول انجیل کے زمانہ میں تورات صحیح حال میں موجود تھی؟ اگر نہیں، وہ یقیناً نہیں تو پھر قرآن کی تصدیق وشہادت کے لئے آپ صحف سماوی اور کتب سابقہ کے صحیح اور اصل نسخوں کی موجودگی کو کیوں ضروری سمجھتے ہیں۔؟

(۳) نزول قرآن کے زمانہ میں گرچہ صحف سابقہ کے اصلی اور صحیح نسخے نہ ہوں، یہ لازم نہیں آتا کہ قرآن انھیں محرف نسخوں کا مصدق ہے، جس طرح ہم لوگ ایمان بالکتب کے لئے مامور ہیں، لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ہمیں انھیں محرف کتابوں پر ایمان لانے کا حکم ہے۔

اس کے متعلق آپ کا یہ ارشاد کہ "جہاں گزشتہ وحیوں پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے، وہاں "ما اوتی" اور "ما انزل" کا لفظ لایا گیا ہے" میرے خیال میں محض لفظی گرفت اور لفظ "ما اوتی" اور "ما انزل" سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش ہے، ہر مسلمان یہی کہتا ہے کہ "اٰمنت باللہ وملٰئکتہ وکتبہ" اور ہر شخص یہی جانتا ہے کہ ہم کتب سابقہ پر ایمان لانے کے لئے مامور ہیں، اگر گزشتہ وحیوں پر ایمان لانے کے لئے "ما انزل" اور "ما اوتی" کی قید کو باور کر لیا جائے تو کتب سابقہ کے وہ حصے جو عہد رسالت میں تحریف وترمیم سے بچ گئے تھے، یا آج تک محفوظ ہیں، گو وہ کسی قدر کم سہی، ان کے متعلق کیا حکم ہوگا؟

اور پھر یہ کہنا بھی کسی طرح درست نہیں اور آپ کے اس حصر واستقصاء میں بلاشبہہ تسامح ہوا ہے، کہ جہاں گزشتہ وحیوں پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے، وہاں "ما اوتی" اور "ما انزل" کا لفظ لایا گیا ہے، ملاحظہ ہو

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ — رسول پر جو کچھ ان کے رب کی طرف سے اترا اس پر وہ

رَبِّہٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ	بھی ایمان لائے اور مومنین بھی، سب اللہ پر اور اس کے
وَمَلٰٓئِكَتِہٖ وَكُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ (بقرہ ۳۴)	فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے

آپ کہہ سکتے ہیں، یہاں حکم نہیں بیان واقعہ ہے، درست! لیکن پھر اس آیت کے متعلق کیا ارشاد ہے؟

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ	ایمان والو! اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر
وَرَسُوْلِہٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ	پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری، اور اس کتاب پر جو پہلے
عَلٰي رَسُوْلِہٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ	نازل فرمائی تھی ایمان لاؤ، اور جو شخص اللہ اس کے
مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِكَتِہٖ	فرشتوں پر اس کی کتابوں پر اس کے رسولوں پر
وَكُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ	اور قیامت کے دن پر ایمان نہ لایا، وہ بھٹک کر
ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا	دور جا پڑا۔

اب آپ کی وہ تاویل تو یہاں کسی طرح نہیں چل سکتی، اور جو تعذر "مصدقاً لما بین یدیہ" کے سیدھے سادے معنی میں آپ پیدا کر رہے ہیں، ٹھیک وہی دشواری یہاں بھی پیش آ رہی ہے۔

(۴) "مصدقاً لما بین یدیہ" اور "لما معکم" و "معہم" کے متعلق یہ میرا مشورہ، اور میری دعوت نہیں کہ قرآن کی تصدیق وشہادت کو صحف سماوی کے صحیح اور غیر محرف حصے تک محدود سمجھ لیجئے، بلکہ الفاظ قرآن ہی کا یہ مطالبہ ہے۔ اور بادنیٰ تأمل یہ بات ظاہر ہے، اس لئے کہ مصدق کے بعد توراۃ یا انجیل یا کتاب کے الفاظ اکثر مقامات پر مذکور ہیں مثلاً "مصدقاً لما بین یدیہ من التوراۃ" یا "مصدقاً لما بین یدیہ من الکتٰب" جس کے صاف معنی یہ ہوئے کہ "تصدیق کرتا ہو اس کی جو کچھ اس کے سامنے توراۃ یا کتاب سے موجود ہے" اور جو حصہ کہ محرف ہو چکا۔ یا جس قدر وحی آسمانی کے ساتھ انسانی اہوا، واماقی کی آمیزش ہو گئی، وہ حصہ اس قید کی وجہ سے خود بخود مستثنیٰ ہو گیا، اس لئے کہ انسانی اہوا، واماقی پر نہ ہرگز توراۃ وانجیل کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ نہ کتب الٰہی اور وحی آسمانی کا۔

اور جہاں کہیں مصدق کے بعد توراۃ و کتاب کے الفاظ نہیں، جیسے یا ایھا الذین اوتوا الکتاب

آمنوا بما نزلنا مصدقاً لما معکم" اور "ولما جاءھم کتٰب من عند اللہ مصدق لما معہم" وہاں بھی کوئی دشواری نہیں کہ "ما" سے مراد کتب الٰہی، اور صحف سماوی کے سوا دوسری چیز ہو ہی نہیں سکتی، اور اس لئے بغیر کسی تاویل اور اہتمام خاص کے ساری دشواریاں خود بخود حل ہیں، اور آیت کی تمام وسعتیں اپنی جگہ پر قائم، لہٰذا قرآن "ما انزل" اور "ما اوتی" کی تصدیق وشہادت بھی کرتا ہے، جو سراسر وحی آسمانی تھیں، اور "ما بین یدیہ" اور "ما معکم" و "معہم" کی بھی یعنی جس قدر وحی آسمانی نزول قرآن کے زمانے میں اس کے سامنے یا اہل کتاب کے پاس موجود تھیں، اور اس کی بھی جو موجودہ زمانے تک محفوظ ہیں، یا جتنی بھی قیامت تک محفوظ رہیں گی، اور بعینہٖ یہی صورت، یہی حکم، یہی مراد آیات ایمانیات میں بھی ہے،

اس سلسلہ میں آپ نے میری خاطر "مصدقاً لما بین یدیہ" میں "بین یدیہ" کی تاویل ماسبق اور ماقبل کے ساتھ فرماتے ہوئے، تصدیق وشہادت کے معنی جو قبول فرمائے ہیں، اس میں صرف یہی خرابی نہیں کہ یہ تاویل "ما معکم" اور "معہم" کے ساتھ لگا نہیں کھاتی، بلکہ بڑی خرابی یہ ہے، کہ آیت کی وسعت محدود اور تنگ ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس لئے شکریہ کے ساتھ نامنظور،

(۵) کتب سابقہ کی قرآن نے جس جس طرح تصدیق کی ہے، اس کی بیشمار مثالیں قرآن میں موجود ہیں، جو گویا اس اجمال کی تفصیل ہے، پھر لفظ کو دوسرے معنی کی طرف لے جانے کی کیا ضرورت ہے؟

(۶) مصدق کی تشریح وتفسیر خود قرآن میں، تصدیق وشہادت کے معنی میں موجود ہے، یہی جس طرح مصدق کا لفظ قرآن کے لئے استعمال ہوا ہے، ٹھیک اسی طرح تصدیق کا لفظ بھی، جس کے بعد کسی ظن وقیاس، کسی اجتہاد وتاویل کی گنجائش باقی نہیں رہتی، ایک آیت تو سورہ یوسف کی گذر چکی، دوسری آیت ملاحظہ ہو، جو بہت زیادہ واضح ہے،

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰي	اور یہ قرآن ایسی کتاب نہیں کہ اللہ کے سوا کوئی
مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ	بنا لے، بلکہ یہ تو ان کتابوں کی تصدیق کرتا ہے جو اس کے

بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ — سامنے ہیں، اور ان کتابوں کی تفصیل ہے جو
فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ (یونس ۴) — بلاشبہ پروردگار عالم کی طرف سے ہیں۔

یعنی قرآن کتب سابقہ کے صرف منزل من اللہ ہونے کا زبانی شاہد اور مصدق نہیں، بلکہ عملی طو پر تصدیق کرتا ہے، کہ ان کے احکام کا مفصل بھی ہے اور مہیمن بھی ۔ ایک تو تصدیق کے لفظ نے مصدق کے معنی کی خود تصدیق و تعیین کر دی پھر "تفصیل الکتاب لاریب فیہ من رب العالمین" نے ان تمام گتھیوں کو بھی سلجھا کر رکھدیا، کہ قرآن صحف سابقہ کے محرف نسخوں کا مصدق کیونکر ہو سکتا ہے؟ اور قرآن کی تصدیق وشہادت کا یہی وہ اہم پہلو ہے، جو اہل کتاب کے آگے قرآن کی صحت و صداقت کی آفتاب سے زیادہ روشن دلیل ہے۔

(۷) مصدق کے عام اور متعارف معنی تصدیق وشہادت سے اعراض میں یہی نہیں کہ اتنے شواہد مانع ہیں بلکہ ایک اور اہم اور بڑی خوبی سے قطع نظر کرنا پڑتا ہے کہ یعنی اہل کتاب کو قرآن کے ایک اعجاز اور خرق عادت پر تحدی بھی کر رہا ہے، یعنی اے اہل کتاب: قرآن تمہاری کتابوں کی تصدیق ہی نہیں کرتا بلکہ اس تصدیق وشہادۃ میں ایک اعجاز خاص یہ ہے کہ "یبین لکم کثیرا مما کنتم تخفون من الکتب ویعفوا عن کثیر" تمہاری کتابوں کے ان مضامین کی تصدیق کرتا ہے، جن کو تم مبالغہ اور اہتمام کے ساتھ چھپائے رکھتے ہو، لاجرم یہ من عند اللہ ہے، ورنہ جس کا علم تمہارے احبار و رہبان علماء و پیشوا کے سوا کسی دوسرے کو نہیں، وہ قرآن کو کیونکر معلوم ہو جاتا؟ کیا قرآن کی یہ معجزنما تصدیق وشہادت ایک آیت و نشان اور ایک کھلا ہوا معجزہ نہیں؟

(۸) مصدق کے دوسرے معنی "کسی کو اس کے خیال کے مطابق سچا ثابت کر دینا" بلاشبہ مستعمل اور متداول ہے، لیکن آپ اس دوسرے معنی کو بھی جس انداز کے ساتھ استعمال فرما رہے ہیں، اس سے یہی نہیں کہ بے ضرورت اور قرآنی تصریح کے خلاف تاویل کرنی پڑتی ہے، بلکہ آیت کی تمام تر وسعت برباد ہو کر رہ جاتی ہے اور آپکے نزدیک "مصدقا لما بین یدیہ" کے معنی یہ ہوئے، کہ قرآن اگلی کتابوں کی، پیشنگوئی کو سچا ثابت کرنے والا ہے،

حالانکہ اس تعیین و تحدید کی کوئی وجہ اور دلیل نظر نہیں آتی، اور صرف پیشنگوئی کی تخصیص کس طرح کریگی سمجھ میں نہیں آتا، لفظ کے دوسرے معنی کو بھی اگر اس کی وسعت پر چھوڑ دیا جائے، تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں، کہ قرآن اگلی کتابوں کو سچا ثابت کرنے والا ہے، اور یہ اس حیثیت سے صحیح ہے، کہ قرآن وہی پیغام لایا، جو کتب سابقہ میں تھا، اور اس نے وہی تعلیمات پیش کیں، جو صحف قدیمہ میں تھیں، اور پیشنگوئی کی تخصیص کئے بغیر آپ کا کام نہیں نکلتا۔

نظم کلام اور "مصدقا لما بین یدیہ" کے سیاق وسباق سے بھی آپنے جو کچھ استدلال فرمایا ہے۔ میں نے اسے بھی بغور دیکھ لیا، وہاں بھی آپ کو جو دشواریاں نظر آتی ہیں، محض اسی اختلاف نظر کیوجہ سے، اگر آپ اتنے شواہد کے بعد اس رائے سے متفق ہو کر غور فرمائیں، تو کوئی وجہ نہیں کہ یہ دشواریاں بھی خود بخود حل نہ ہو جائیں۔ احتیاطاً آپکے بعض استدلال کی طرف میں بھی اشارہ کر دوں۔

آپ کا سب سے پہلا استدلال سورۂ بقرہ کی آیت ۴۰ "یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِیْٓ اُوْفِ بِعَهْدِکُمْ وَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَکُمْ وَلَا تَکُوْنُوْٓا اَوَّلَ کَافِرٍۭ بِهٖ" سے ہے

(۱) "اوفوا بعهدی" سے ایمان بالقرآن ہی کا ایفاء عہد مقصود ہے۔ (۲) آپکے خیال میں "ولا تکونوا اول کافر بہ" اس لئے خاص طور پر قابل غور ہے، کہ یہود کو اولین منکر ہونے سے کیوں روکا گیا، آخر اس انکار میں مشرکین ہی تو پیش پیش تھے"

(۱) حالانکہ واقعہ میثاق کے بعد آپ جس عہد کا ذکر فرما رہے ہیں، وہاں یہی ایک عہد نہیں، بلکہ اتباع نبی امی، آپ پر ایمان لانا، آپ کی حمایت کرنا، آپ کی مدد کرنا، اور سب کے بعد اتباع قرآن مذکور ہے، اس لئے یہاں ایمان بالقرآن کی خصوصیت کہاں سے نکل آئی؟ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے، کہ اتباع قرآن بھی

کی اہمیت کے لحاظ سے محض اشارہ ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مزید تاکید کے لئے " وآمنوا بما انزلت مصدقا لما معکم "(۱) کہکر خصوصیت کے ساتھ اس معاہدہ کو یاد دلایا گیا، کہ ہم نے جو نازل فرمایا ہے، اُس پر ایمان لاؤ، جس کی صداقت کی دلیل خود اس کی تصدیق وشہادت ہے، کہ وہ تمھاری کتابوں کی تردید نہیں بلکہ معجزانہ طور پر تصدیق کرتا ہے، وہی تعلیمات یہ بھی پیش کرتا ہے، جو تمھارے پاس آچکی ہیں، پھر تمھیں اس معاہدہ کے پورا کرنے میں کیا عذر و تامل ہے؟ (۲) اور اسی لئے انھیں اولین منکر ہونے سے روکا گیا، کہ ان کیلئے قرآن کوئی نئی اور انوکھی چیز نہ تھی، وہ ان تعلیمات سے اچھی طرح واقف تھے، بخلاف مشرکین کے، کہ وہ اس حیثیت سے معذور تھے، قرآن سے پہلے نہ انھیں کوئی کتاب ملی تھی، نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ان لوگوں کے پاس کوئی رسول تشریف لائے تھے: "وما آتیناھم من کتب یدرسونھا وما ارسلنا الیھم قبلک من نذیر"۔ اس لئے اہل کتاب کا جرم نہایت اہم اور سنگین تھا۔

اس کے بعد آپ کو اسی سورہ کی اس آیت "ولما جاءھم کتب من عند اللہ مصدق لما معھم وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا فلما جاءھم ما عرفوا کفروا بہ" میں یہ زحمت پیش آتی ہے کہ اگر "مصدق لما معھم" کا مطلب تصدیق کرنے والا قرار دیا جائے تو "کانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا" سے اس کا کیا ربط ہوگا، اور "فلما جاءھم ما عرفوا" کے کیا معنی ہونگے؟ حالانکہ ربط اس طرح بھی بالکل ظاہر ہے، اور "ما عرفوا" کے معنی بھی واضح کہ جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے وہ کتاب آگئی، جو ان کی کتابوں کی معجزانہ تصدیق کرتی ہے، اور اس کتاب کی صحت وصداقت اور من عند اللہ ہونے کی یہی دلیل نہیں، بلکہ اہل کتاب خود اس کتاب کے منتظر اور اس کے وسیلے کفار پر فتح ونصرت کی دعائیں کرتے تھے، تو جب ان کے پاس وہ کتاب آگئی جسے انھوں نے اپنی کتابوں کے انداز و نہج اور تعلیمات کی یکسانی اور بشارت قدیمہ کیوجہ سے پہچان لیا، تو اس کا انکار کر بیٹھے، اس کے بعد آپ کو اس آیت "ولما جاءھم رسول من عند اللہ مصدق لما معھم نبذ فریق من الذین اوتوا

الکتب کتٰب اللہ وراء ظھورھم کانھم لا یعلمون" میں مصدق کے معنی تصدیق کرنیوالا قرار دیتے ہوئے یہ دشواری لاحق ہوتی ہے، کہ "پھر توراۃ کو پیٹھ کے پیچھے پھینکنے" کا کیا مطلب ہوگا؟"

مطلب تو صاف ہے کہ جب یہودیوں کی سرکشی کا ذکر ہو رہا ہے، کہ وہ اسقدر شرارت پر کمربستہ ہیں، کہ جب کبھی کوئی عہد کرلیتے ہیں، تو ان میں کا کوئی نہ کوئی فریق اس کو بالائے طاق اٹھا کر رکھدیا کرتا ہے، چنانچہ دیکھو جب ان کے پاس خدا کی طرف سے رسول عربی صلعم آئے اور ان کی کتابوں کی اس طرح تصدیق کرتے ہوئے آئے جو خود ایک معجزہ ہے، تو ان کے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب توراۃ کو اس طرح پیٹھ پیچھے پھینک دیا، گویا انھیں اس عہد کا جو رسول عربی صلعم پر ایمان لانے کے متعلق توراۃ میں ان سے لیا گیا تھا، کچھ علم ہی نہیں،

آپکے دونوں آخری دلائل ہیں، مصدق کو تصدیق کے معنی میں رکھنے سے، اہل کتاب پر چند طرح کی حجتیں قائم ہوتی ہیں:۔

(۱) قرآن جب تمھاری کتابوں کو جھٹلاتا نہیں، اُن کی مخالفت اور تردید نہیں کرتا، بلکہ تصدیق کرتا ہے، اور تصدیق بھی زبانی نہیں بلکہ عملی تو پھر تم بے وجہ قرآن کی مخالفت کیوں کرتے ہو، اور اس کو کیوں جھٹلاتے ہو؟

(۲) قرآن اپنی مخالفت کے ڈر سے تمھاری کتابوں کی تصدیق نہیں کرتا، ورنہ اس میں تملق و خوشامد کا کوئی پہلو ہے، بلکہ اس تصدیق وشہادت میں ایک خرق عادت ایک کھلا ہوا معجزہ ہے،

(۳) خود تمھاری کتابوں میں رسول عربی صلعم اور قرآن کی بشارتیں اور خبریں موجود ہیں، اسلئے تم ہمارے رسول اور قرآن کو اچھی طرح جانتے اور پہچانتے ہو، کہ یہ ٹھیک انھیں خبروں کے مطابق ہیں لیکن دانستہ اعراض و انکار کر رہے ہو،

اور مصدق سے آپکے مزعومہ معنی کے مطابق صرف ایک حجت قائم ہوتی ہے، کہ تمھاری کتابوں میں اس نبی اور قرآن کے متعلق جو پیشنگوئیاں تھیں، ہم ٹھیک اس کے مطابق ہیں، اور یہ حجت تو خود "وکانوا من قبل یستفتحون

علی الذین کفروا" اور "نبذ فریق من الذین اوتوا الکتٰب" میں ظاہر ہے، "مصدق لما معھم" کے اس میں کون سی خوبی اور قوت پیدا ہوگئی، اور دونوں کو ملاکر ایک کر دینے سے کیا فائدہ ہوا؟ یہ وہ مقامات تھے جن سے آپ نے بہت زور و قوت کے ساتھ استدلال فرمایا تھا، اور اس کے حل کی دعوت بھی دی تھی، لہٰذا میں نے کچھ عرض کر دیا بقیہ مقامات میں اس نقطۂ نظر سے اتحاد کے بعد نظم کلام، سیاق و سباق میں بھی کوئی اختلاف باقی نہ رہ گا جس نے رسول کیلئے مصدق کو دوسرے معنی میں استعمال کرنے کی مجھے صلاح پیش کی تھی اس کے لئے چند قرائن بھی پیش کر دیئے تھے۔ نیز یہ کہ یہاں تاویل کی گنجائش ہے اس لئے کہ رسول کے لئے تصدیق کا لفظ استعمال نہیں ہوا، اور کتاب کیلئے تو تصدیق کے لفظ نے تاویل و اجتہاد کا دروازہ ہی بند کر دیا، تاہم آپ کی تنبیہ سے ندامت ہوئی، اور اپنی اس جرأت پر، نیز ان تمام لغزشوں پر جو نادانستہ طور پر فہم قرآن میں مجھ سے ہوئی ہیں، بارگاہ رب العزت میں عفو و مغفرت کا خواہاں ہوں، اور اپنے قصور فہم کا معترف، سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا اور صدق دل سے داعی، کہ رب اشرح لی صدری ویسر لی امری، و رب زدنی علما۔

بیان الفرقان علی علم البیان

قرآن مجید کی یہ سب سے پہلی تفسیر ہے۔ جو علم معانی و بیان کی روشنی میں عربی زبان میں لکھی گئی ہے شروع میں علم معانی و بیان کی اصطلاحات درج کرکے ان پر نمبر ڈالے گئے ہیں۔ دوران تفسیر میں جہاں کسی اصطلاح کا ذکر آیا ہے اس پر اس اصطلاح کا نمبر دیدیا گیا ہے۔

سردست صرف سورہ فاتحہ و بقرہ کی تفسیر چھپی ہے۔ کتابت و طباعت اور کاغذ اعلیٰ ہے۔ سرورق رنگین آرٹ پیپر پر چھاپا گیا ہے۔ قیمت ۱ر محصولڈاک علیحدہ ہوگا۔

ملنے کا پتہ:- منیجر اہلحدیث امرتسر

موعظۂ حسنۃ

فرصت کی گھڑیاں

از جناب مولوی ابو اللیث صاحب اصلاحی، ندوی

قدما کا قول ہے: "فطرت، خلا کو ناپسند کرتی ہے۔" خلا سے مراد مکان کا مادہ سے خالی ہونا ہے۔ لوگوں نے اپنے مشاہدہ اور استقراء سے جب دیکھا کہ کوئی جگہ کسی حال میں خالی نہیں ہوتی۔ ہم جن جگہوں کو خالی سمجھتے ہیں وہ بھی ہوا سے پر ہوتی ہیں اور جب کسی خالی برتن میں پانی یا کوئی اور شے گرائی جاتی ہے تو ہوا کے نکلنے سے پہلے وہ اس میں داخل نہیں ہو سکتی تو اس حقیقت کو اس طرح تعبیر کیا کہ "فطرت خلا کو ناپسند کرتی ہے"۔ قدما نے خلا، مکان کے متعلق جو رائے قائم کی تھی وہ اس زمانہ کے علماء طبیعیین کے نزدیک بھی مسلم ہے، البتہ وہ اس کی تعبیر دوسرے الفاظ میں کرتے ہیں۔ یعنی خلا، محال ہے اور ہم کسی ایسے مکان کا تصور نہیں کر سکتے جس میں مادہ نہ ہو۔

یہ بات محسوسات کیلئے تو بالکل مسلم ہے لیکن اس کا اطلاق معنویات پر بھی ہو سکتا ہے۔ جس طرح کوئی مکان مادہ سے خالی نہیں ہوتا اسی طرح دماغ بھی کسی حال میں فکر و خیال سے خالی نہیں رہتا۔ اگر کوئی شخص اپنے ذہن کو کسی ایک خیال سے باز رکھنا چاہے تو لامحالہ کوئی دوسرا خیال اس کی جگہ لے لیگا۔ چاہے اس کا ارادہ ہو یا نہ ہو۔ جب انسان پر مختلف کام آپڑتے ہیں تو ان میں سے جو زیادہ اہم ہوتا ہے یا جس کا اثر اس پر زیادہ پڑتا ہے، اس کا ذہن اسی میں مشغول ہو جاتا ہے جب اس سے فرصت ملجاتی ہے تو اس سے کم اہم کام اس کی جگہ لے لیتا ہے۔ جب وہ بھی ہو چکتا ہے تو تیسرا اس کی جگہ لیتا ہے اور اس طرح ہوتا رہتا ہے۔ گویا جس طرح وہ سیال مادے جو اپنے نوعی ثقل کے اعتبار سے متفاوت ہوں اور جن کی باہم آمیزش نہ ہوئی ہو جب کسی برتن میں رکھدیے جائیں تو وہ اپنے ثقل کے اعتبار سے نیچے اوپر ہو جاتے ہیں اور جب سب سے زیادہ ثقیل

میلان اپنی جگہ خالی کر دیتا ہے تو اس سے کم درجہ کا شغل اس کی جگہ لے لیتا ہے اور یہی عمل تعاقب کے ساتھ ہوتا رہتا ہے۔ اسی طرح ہمارے مشاغل اور امورِ معہودہ میں اپنی اہمیت کے اعتبار سے اوپر نیچے اپنی جگہ بنا لیتے ہیں اور یکے بعد دیگرے ذہن کو اپنی طرف ملتفت رکھتے ہیں۔

غرض یہ ہے کہ فکر یا عقل کبھی بیکار نہیں رہ سکتی ایک کام سے جہاں فراغت ہوئی، دوسرے میں مصروف ہوگئی۔ اگر اس کی توجہ حسنات کی طرف نہ رہے گی تو لامحالہ سیئات میں مصروف ہو جائے گی۔ اسی لئے کہا جاتا ہے "خالی ذہن شیطان کا مسکن ہے"۔ عقلمند وہ ہے جو مضرتوں سے بچنے کے لئے اپنے دماغ کو اچھے کاموں میں مصروف رکھے۔ ذہن کو کام میں مصروف رکھنا وقت سے فائدہ اٹھانا ہے۔ حکیم وہ ہے جو اپنے وقت کو اچھے کاموں میں صرف کرے اور ذہن و فکر سے اچھے کام لے جس شخص کا ذہن خالی ہوتا ہے لامحالہ برے خیالات اس میں گھس جاتے ہیں۔ دیکھا جاتا ہے کہ فوج کے سپاہی جن دنوں میں بیکار ہوتے ہیں ان کے درمیان فسادات بکثرت رونما ہوتے ہیں، اسی لئے حکومت بیکاری کے زمانہ میں فوجیوں کو مختلف کاموں میں مشغول رکھتی ہے جن میں اکثر غیر ضروری ہوتے ہیں۔ یہی حال سیاسی جماعتوں کے لیڈروں اور مذہبی رہنماؤں کا ہے۔ وہ اپنے اتباع و مریدین کو مختلف فرائض و اعمال کا پابند بنا دیتے ہیں جنہیں اکثر ایسے ہوتے ہیں جن کا مقصد انہیں آپس کے لڑائی جھگڑے سے باز رکھنا یا ایسی باتوں میں پڑنے سے بچانا ہوتا ہے جن کا اثر ان کے اور ان کے لیڈروں کے باہمی تعلقات پر پڑتا ہو۔ یہاں ہم اس مسئلہ پر غور نہیں کرنا چاہتے کہ انسان کو زندگی کے مختلف ادوار میں یا دن کے مختلف حصوں میں کس قسم کے کام کرنے چاہئیں، کیونکہ اس مسئلہ پر یہاں بحث کی گنجائش نہیں۔ ہر انسان زندگی گذارنے کے لئے کچھ نہ کچھ اپنے لحاظ سے کرتا ہی رہتا ہے۔ ہم یہاں صرف اس مسئلہ پر غور کرنا چاہتے ہیں کہ جب وہ اپنے روزمرہ کے ضروری کاموں سے فرصت پا جائے تو اس کو کیا کرنا چاہئے۔ فرصت کے جو اوقات ہمیں ملتے ہیں تمہیں کیا معلوم ان کی قیمت کیا ہے؟ یہ گھڑیاں حقیقت میں انسان کی راہ میں ایک ایسے پہاڑ کی حیثیت رکھتی ہیں جسے، اگر کامیابی کے ساتھ طے کر لیا جائے تو اس کے پیچھے سعادت کامرانی استقبال کے لئے کھڑی ہے اور اگر اس میں ناکامی ہوئی تو ذلت و بدنصیبی کے گڑھے میں گرنا ناگزیر ہے۔ ہم کام کے اوقات کے متعلق کچھ نہیں

... بات ہے کہ ان میں کسی قسم کے خطرے کا احتمال نہیں ہے، کام کے اوقات میں انسان زبان و قدم کی لغزشوں سے محفوظ اور شیطان کے دام سے مامون ہوتا ہے لیکن فراغت کی گھڑیاں، وہ یا تو بچھو ہیں یا شہد کی مکھیاں جو تمہارے لئے لذیذ شہد فراہم کریں گی یا ڈنک مار مار کر ہلاک کر دیں گی۔ بہت سے نوجوان اپنی فراغت کی گھڑیوں کو غنیمت خیال کرتے ہیں اور ان میں مفید کام کر کے ہر قسم کی بلندیاں حاصل کر لیتے ہیں اور بہت سے نوجوان انہیں غلط کاموں میں صرف کرتے ہیں اور اپنی پہلی عزت و صلاحیت بھی کھو بیٹھتے ہیں۔ پس فراغت کے وقت میں اپنی عقل اور ہاتھ سے ہر وقت چوکنے رہو کیونکہ جس وقت ان کے لئے کوئی کام نہیں ہوتا شیطان انہیں اپنے آلہ کے طور پر استعمال کرتا ہے۔

راحت کیا ہے؟

ناظرین اس غلط فہمی میں نہ مبتلا ہو جائیں کہ ہم کام کرنے والوں کو راحت سے محروم کر دینا چاہتے ہیں۔ زندگی کیلئے جس طرح کام کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح آرام کرنا بھی ضروری ہے لیکن سوال یہ ہے کہ راحت کس چیز کو کہتے ہیں؟ تمہیں پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ انسان کا ذہن کسی وقت بیکار نہیں رہ سکتا جب وہ اپنے روزمرہ کے کام سے فارغ ہو جائے گا تو دلچسپی کے لئے یا تو شطرنج، چوسر، بلیرڈ وغیرہ کھیلے گا یا دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر گپ شپ کرے گا یا اخبارات و رسائل کے مطالعہ سے دل بہلائے گا، یا شراب نوشی اور قمار بازی میں وقت کاٹے گا بہرحال وہ اپنی تفریح اور دلچسپی کیلئے جو کام بھی اختیار کرے اس کی عقل ہمیشہ اپنے کام میں مشغول رہے گی۔ اب سوال یہ ہے کہ عقلی کام آرام اور تکان دونوں کا سبب کس طرح ہوتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ راحت کا دارومدار کام ترک کر دینے پر نہیں ہے بلکہ کام میں تنوع یا تبدیلی پیدا کرنے پر ہے۔ وہ مزدور جو دن بھر بیٹھا ہاتھ سے کوئی کام کرتا ہے اس کی راحت چلنے اور ہاتھوں کو حرکت سے روک دینے میں ہے۔ وہ تاجر جو دن بھر دماغ کو اپنے کاروبار میں مشغول رکھتا ہے، اس کی تفریح مطالعہ، یا عقلی اور جسمانی کھیلوں کے ذریعہ ہو سکتی ہے جبکہ اس کے ذہن کو تجارتی افکار سے نجات مل جائے۔ وہ وکیل جو دن بھر قانونی موشگافیوں میں مشغول رہتا ہے، جب ادبیات وغیرہ

مطالعہ کرتا ہے تو اس کے ذہن کو سکون حاصل ہوتا ہے۔ بسا اوقات مضمون نگار کسی خاص موضوع پر لکھتے لکھتے تھک جاتا ہے لیکن جب اسے چھوڑ کر کوئی اور موضوع اختیار کرلیتا ہے تو اس کا قلم اس طرح چلتا ہے گویا بالکل تازہ دم ہے۔ اسی پر تمام پیشوں کو قیاس کرلو۔ خلاصہ یہ ہے کہ کسی کام کو مسلسل ایک نہج پر کرتے رہنے سے اعضاء میں سستی اور طبیعت میں اضمحلال پیدا ہوجاتا ہے اور جب کام بدل دیا جائے تو اس سے نفس کو لذت حاصل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان ہمیشہ ایک حال میں رہنے سے گھبرا جاتا ہے خواہ وہ کتنا ہی خوش آیند ہو۔ ایک فقیر گوشت اور عمدہ کھانوں کی تمنا کرتا ہے، نرم گدوں پر سونے والوں اور دیبا و حریر پہننے والوں پر رشک کرتا ہے اور انہی چیزوں کے حصول کو اپنی انتہائی خوش بختی سمجھتا ہے لیکن جب اسے یہ تمام چیزیں میسر آجاتی ہیں تو تھوڑے ہی دنوں میں اس کا دل بھر جاتا ہے اور انھیں چھوڑ کر وہ اور کسی لذت بخش چیز کو تلاش کرنے لگتا ہے۔ یہی حال تمام لذات کا ہے۔ لذت کا انحصار، مال و دولت یا غذا کی کسی خاص مقدار پر نہیں بلکہ خواہش کے مطابق ایک چیز کو چھوڑ کر دوسری چیز کے اختیار کرنے پر ہے۔

ہر قسم کے کام سے کنارہ کش ہوجانا موجب راحت نہیں ہے بلکہ ایک کام کو چھوڑ کر دوسرے کام میں لگ جانا باعث سکون و راحت ہے۔ لوگ حصول راحت کے لئے اپنے کاموں میں تنوع اور تبدیلی پیدا کرنے کی مختلف راہیں اختیار کرتے ہیں۔ یہی وہ نکتہ ہے جس کی طرف ہم نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں۔ جب فراغت کے اوقات میں ہم بھی اپنے دماغ کو کام سے باز نہیں رکھ سکتے تو کیوں نہ اسے ایسی باتوں میں معروف رکھیں جو ہمارے لئے مفید بھی ہوں اور لذت بخش بھی۔

بیکاری کے خطرات

تمھارے لئے اس وقت کوئی خطرہ نہیں جب تم کاموں میں مشغول ہو۔ خطرے کا وقت تمھاری فراغت کی گھڑیاں ہیں۔ یا تو تم انھیں لہو و لعب میں صرف کروگے، جس کا نتیجہ وبال ہوگا۔ یا ان میں کوئی ایسا کام کروگے جو تمھارے اور تمھاری اولاد کے لئے مفید ہوگا۔ تم کہوگے اگر دامن بچا کر فراغت کی

گھڑیاں تفریحی مقامات میں صرف کی جائیں تو اس میں کیا حرج ہے؟ حرج تو کچھ بھی نہیں لیکن نوجوانو! تمھیں معلوم نہیں کہ آج لہو و لعب اور فواحش میں پڑنے کی وجہ سے جن کا حال برا ہے اور جنھیں دیکھ کر تم ہنستے اور افسوس کرتے ہو، انھوں نے بھی اس راہ میں یہی سوچ کر قدم رکھا تھا۔ اور انھیں بھی اپنے متعلق یہ حسن ظن تھا کہ "قعر دریا کے درمیان تختہ بندی کے باوجود وہ اپنا دامن تر ہونے سے بچالیں گے" لیکن ان کا یہ حسن ظن غلط نکلا۔ جن چیزوں کو انھوں نے تفریحی طور پر شروع کیا تھا، رفتہ رفتہ ان کی عادت میں داخل ہوگئیں۔ اور بد قماش اشخاص ان پر ڈورے ڈالتے رہے یہاں تک کہ وہ آج درجہ بدرجہ اپنے اصلی بلند مقام سے اتر کر ہلاکت کے غار میں گر گئے۔ قہوہ سے معاملہ شروع ہوا پھر بیر کی باری آئی پھر وہسکی اور شامپین تک نوبت پہنچی اور پھر........ اور پھر........ یہاں تک کہ پستی اخلاق کے انتہائی درجہ تک پہنچ گئے اور انھیں اس کا احساس بھی ہوا اب اگر وہ اپنی اس حالت سے رجوع بھی کرنا چاہیں تو ناممکن ہے۔ اب وہ اپنی حالت پر افسوس کرنے کے سوا کچھ نہیں کرسکتے۔ تمھیں اپنے کمال کا غرہ نہ ہو، کیونکہ انسان بہت ہی ضعیف الارادہ ہے۔ تم جن کو بغیر کسی ارادہ کے ایک کام کئی بار کرتے ہو، پھر رفتہ رفتہ اس کی اس طرح عادت ہوجاتی ہے کہ کوشش کے بعد بھی نہیں چھوڑ سکتے۔ تم پہلے تفریح گاہوں میں کبھی کبھی اپنے دوستوں کے ساتھ قتل وقت کے اہتمام سے بچنے کیلئے جاتے ہو اور ان لوگوں کو دل سے برا سمجھتے ہو جو عادتاً جایا کرتے ہیں اور اپنے متعلق گمان کرتے ہو کہ کبھی اس کے عادی نہ ہوگے۔ لیکن تم یہ بھول جاتے ہو کہ تم آج جنھیں برا کہتے ہو وہ بھی پہلے تمھاری ہی طرح تھے اور اس کی ابتدا انھوں نے تمھاری ہی طرح کی تھی۔ لیکن آج ان کا جو حال ہے وہ تم دیکھتے ہو۔ علاوہ بریں اگر تم ان کے حال پر غور کرو تو تم دیکھوگے کہ وہ جو کچھ کرتے ہیں وہ ان کے لئے موجب راحت نہیں ہوتا بلکہ ہلاکت و بربادی کا باعث ہوتا ہے۔ کیا رات رات بھر جاگنا اور شراب نوشی پر اپنا مال و متاع صرف کردینا، موجب راحت ہوسکتا ہے؟ درانحالیکہ ان میں سے اکثر ایسے ہوتے ہیں جن کی تنخواہیں نہایت معمولی ہوتی ہیں اور وہ خود تو مزے اڑاتے ہیں لیکن ان کے بچے بھوک سے بلکتے ہیں۔ راحت و انجام کے لحاظ سے یہ اچھا ہے یا یہ کہ فراغت کے اوقات میں کوئی مفید کام خواہ پر مشقت ہی ہو کیا جائے۔

ممکن ہے تم دولتمند ہو اور تمھیں وراثت میں بہت کچھ دولت و ثروت ملی ہو۔ اور یقیناً ایسا ہی ہوگا کیونکہ جو لوگ ان حرکتوں کے عادی ہوتے ہیں خود روپیہ نہیں پیدا کر سکتے۔ فرض کرو تمھارے پاس قارون کا خزانہ ہے کیا تم سمجھتے ہو وہ ہمیشہ تمھارے پاس باقی رہے گا؟ ہو سکتا ہے کہ تمھاری دولتمندی تمھیں اس برائی کا جو تمام برائیوں کی جڑ ہے اور تمدن کے لئے زبردست خطرہ ہے یعنی قمار بازی کا عادی بنا دے۔ اس وقت تمھاری تمام دولت و جائداد دیکھتے دیکھتے تمھارے ہاتھ سے نکل جا سکتی ہے۔ آج بہت سے امیروں اور بلند کوٹھیوں میں رہنے والوں کی اولاد اپنے نوکروں چاکروں ہی کے دروازوں پر بھیک مانگتی پھر رہی ہے اور نان شبینہ کی محتاج ہے۔ محض اسلئے کہ انھوں نے کام کرنا اپنی امارت کی شان کے منافی سمجھا اور اپنا کاروبار دوسروں کے ہاتھ میں دیکر خود لہو و لعب اور امیرانہ فضول خرچیوں کے عادی بن گئے، اس طرح اپنی دولت بھی ضائع کی، صحت بھی خراب کی اور خاندانی عزت و شرافت کو بھی بٹہ لگایا۔ اگر وہ کسی غریب گھرانے میں پیدا ہوتے تو غریبی ان کی پردہ پوشی کرتی اور انھیں ہر قسم کی آفتوں سے محفوظ رکھتی۔ اس لئے عقل و دانائی کا کام یہ ہے کہ فرصت کے اوقات کو لہو و لعب، شراب نوشی، قمار بازی وغیرہ ایسے کاموں میں صرف کرنے سے احتراز کرو جس کا نتیجہ برا نکلنے والا ہو۔ بدقسمتی سے بڑے بڑے شہروں میں بہت سے گھر قمار بازی کے مستقل اڈے بن گئے ہیں، جہاں شب و روز نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کا جمگھٹا رہتا ہے اور تاش اور جوئے کھیلے جاتے ہیں۔ تعجب یہ ہے کہ یہ مرض ان خاندانوں میں بھی منتقل ہو چکا ہے جو علم و اخلاق کے لحاظ سے بہت ممتاز سمجھے جاتے ہیں اور جن میں پڑھے لکھے اور سمجھدار آدمی کافی ہیں۔ یہ لوگ اپنے نفس کو یہ دھوکا دیتے ہیں کہ وہ اس قسم کے کھیل قمار بازی کی خاطر نہیں بلکہ تفریح و دلچسپی کیلئے کھیلتے ہیں۔ لیکن انھیں سوچنا چاہئے کہ اگر ان کھیلوں سے خود انھیں کوئی نقصان نہیں پہونچے گا تو ان کی اولاد اور خاندان والوں پر اس کا کیا اثر پڑے گا۔ تفریح کا بہانہ بھی ایک عذر لنگ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا کیونکہ تفریح کے اور بھی طریقے ہو سکتے ہیں۔ خصوصاً بڑے بڑے شہروں میں تو وسائل تفریح کی کوئی کمی نہیں۔ طلبہ اور پڑھے لکھے لوگ ادبی جلسے کر سکتے ہیں۔ سیاسی یا اجتماعی مسائل پر بیٹھ کر گفتگو کر سکتے ہیں۔ اور اس قسم کے تفریحی مشاغل پیدا کر سکتے ہیں جن میں لذت

بھی ہو اور فائدہ بھی۔ نیز ایسے کھیل کھیلے جا سکتے ہیں جو "گھریلو" کہلاتے ہیں اور جن میں ایک ساتھ بہت سے آدمی حصہ لے سکتے ہیں۔ بعض کھیل تو ایسے ہیں کہ جن سے تفریح کے علاوہ عقل و فہم کی قوت میں اضافہ بھی ہوتا ہے مثلاً وہ کھیل جن میں تاریخی یا ادبی سوالات ہوتے ہیں۔ اس قسم کے کھیل عام طور پر معلوم و مشہور ہیں۔ ان کھیلوں سے ضرور احتراز کرنا چاہئے جن میں جوئے کا شائبہ بھی پایا جاتا ہو۔ اکثر سادے طریقے سے تاش کھیلنا قمار بازی کا ذریعہ ہو جاتا ہے اور اس کی بنا پر یا تو لوگ خود جوا کھیلنے لگتے ہیں یا ان کی اولاد کو اس کی لت پڑ جاتی ہے۔ اس قسم کے کھیلوں کے بجائے مختلف قسم کے علمی و ادبی مذاکروں اور مباحثوں کے ذریعہ دل بہلانا چاہئے۔

فرصت کے فوائد

بیسویں صدی کے نوجوانوں سے ہم صرف یہی نہیں چاہتے کہ وہ فراغت کے اوقات کو شراب نوشی میں ضائع نہ کریں بلکہ وہ اپنا سارا وقت بالکل بیکار ضائع کرتے ہیں۔ ان کی ذمہ داری اس سے بہت زیادہ ہے۔ فراغت کی گھڑیاں نہایت قیمتی ہیں اگر انھیں مفید کاموں میں صرف کیا جائے۔ دنیا میں ایجاد و اکتشاف یا کسی اہم کارنامہ کی انجام دہی کے سلسلہ میں جن لوگوں نے شہرت حاصل کی ہے، ان کے حالات زندگی پڑھو۔ تم دیکھو گے کہ ان کی کامیابی کا دارومدار اس امر پر تھا کہ وہ فرصت کے اوقات کو ضائع نہیں کرتے تھے۔ رچرڈ آرکرائٹ جس نے سوت کاتنے کی مشین ایجاد کی اور روئی کے بڑے بڑے کارخانے قائم کئے، ایک معمولی نائی تھا۔ یہی حال مشہور چیف جسٹس لارڈ ٹنٹرڈن اور مشہور مصور ٹرنر کا تھا۔ کیا ان لوگوں نے یہ بلند مرتبے وقت کی صحیح قدر و قیمت پہچانے بغیر حاصل کر لئے؟ تاریخ میں جن لوگوں کا نام آج خاص عزت سے لیا جاتا ہے ان میں اکثر ایسے ہیں جن کی ابتدائی حالت بہت پست تھی وہ محض اپنے ولولۂ کار اور گرمی عمل کی بدولت بلند مراتب پر پہنچے۔ انھوں نے اپنے فرصت کے لمحات کبھی بیکار ضائع نہیں کئے۔ جو شخص فرصت کا وقت مفید کاموں میں صرف کرتا ہے وہی پر جوش اور شجاع ہے اور اسی کے متعلق کامیابی کی توقع رکھی جا سکتی ہے۔ کوئی کتنا ہی مفلس و تنگدست ہو اسے کمتر و حقیر نہیں سمجھنا چاہئے۔ مفلس

اصل میں وہ ہے جو کاہل اور پست ہمت ہے معمولی پیشہ وروں میں بہتوں نے نام پیدا کئے ہیں۔ اور بلند مراتب حاصل کئے ہیں۔ بن جنسن پہلے ایک معمولی معمار تھا لیکن محض اپنی محنت سے بلند مرتبہ کا مالک ہوا۔ اس کا حال یہ تھا تعمیر کے آلات ہاتھ میں اور کتاب جیب میں۔ جب ذرا فرصت ملی کتاب کے مطالعہ میں منہمک ہوگیا۔ اڈورڈس اور ٹلفرڈ جیسے انجینیر، ہیو میلر جیسا ماہر علم طبقات الارض اور الن کنگھم جیسا نقاش، سب پہلے معمولی درجہ کے غریب اشخاص تھے۔ انیگو جانس اور ہریسن جیسے مشہور موجد، یوحنا ہنر طبیب ماہر فزیالوجی زمنی اور اوپی جیسے مصور، پرفیسر لی جیسا ماہر لغات مشرقیہ، یوحنا جیسن جیسا نقاش، یہ سب بڑھئی تھے۔ مشہور ماہر ریاضی سمن مشہور نقاش، باکن شہرہ آفاق مولف فنسٹر عظیم الشان ماہر طبیعیات ولسن مشہور سیاح ڈاکٹر لونسٹن مشہور شاعر ٹنامل کپڑا بننے والوں میں سے اٹھے۔ سر کلوڈ سلی شوول جیسے امیر البحر، اسٹرجان جیسا کہربائی، سموئیل ڈرو جیسا مولف، جیورڈ جیسا صحافی بلوم فیلڈ جیسا شاعر، ولیم کاری اور موریسن جیسے مبلغ موچی تھے۔ اور موریسن تو صرف موچی ہی نہ تھا بلکہ جوتیوں کے لئے قالب تیار کرتا تھا۔ موچیوں میں ایک بلند شخصیت کا مالک ٹوماس اڈورڈس بھی گذرا ہے جس نے اپنے پیشہ کے ساتھ ساتھ تمام علوم طبیعیہ کا بھی مطالعہ کیا اور ان میں بہت مہارت حاصل کی۔ اس نے خود ایک خاص قسم کا بحری مادہ بھی دریافت کیا تھا جو اسی کے نام سے مشہور ہوا۔ درزیوں میں یوحنا اسٹو مورخ، جیکسن مورخ اور اینڈریو جانسن صدر ولایات متحدہ امریکہ جیسی ہستیاں پیدا ہوئیں۔ عظیم الشان کرڈینل ولسی قصاب تھا۔ یوحنا بنیان لوہار تھا۔ مشہور مولف ہیکرافٹ سائیس تھا۔ مشہور ماہر فلکیات ہرشل سازندہ تھا۔ غرض یہ ہے کہ بہتیرے اشخاص ایسے پیدا ہوئے ہیں جنھوں نے اپنے فرصت کے اوقات کو مفید کاموں میں صرف کرکے علم اور دولت وعزت کے بلند مراتب حاصل کئے۔ ہمارے نوجوانوں کو بھی چاہئے کہ وہ ان کامیاب انسانوں کے رستہ پر چلکر تاش، شطرنج، بلیرڈ وغیرہ جیسے کھیلوں میں اپنا عزیز وقت صرف کرنے کے بجائے، اسے علم، اخلاق یا صنعت وحرفت وغیرہ حاصل کرنے میں صرف کریں۔ بہت سے ادنی پیشہ کے لوگ ہیں جو اگر چاہیں تو فرصت کے اوقات میں کچھ پڑھ لکھکر یا کوئی ہنر سیکھ کر اپنے ادنی پیشہ سے نجات حاصل کرکے کوئی شریفانہ پیشہ اختیار کرسکتے ہیں لیکن ان کے

دل میں کبھی اس کا خیال ہی نہیں آتا۔ بلا شبہہ ابتداءً انھیں یہ کام بھاری معلوم ہوگا لیکن جب رفتہ رفتہ وہ انھیں اس کا عادی بنالیں گے تو انھیں اسی میں لذت ملنے لگے گی۔ دشواری صرف پہلے قدم پر پیش آتی ہے، اس کے بعد خود بخود پاؤں اٹھنے لگتے ہیں۔ عقلمند وہ ہے جو جبراً طبیعت کو فکر ومطالعہ کا عادی بنائے۔ کچھ دنوں بعد وہ خود بخود مانوس ہوجائے گی۔

ہمارے اندر بہت سے نوجوان ہیں جو تجارت، صنعت، کھیتی اور ملازمت میں مشغول ہیں اور سب کے سب ترقی اور اضافۂ آمدنی کے طالب ہیں لیکن اس کے لئے صحیح طریقے سے کوشش کرنے والے بہت کم ہیں۔ تم نے دیکھا ہوگا بہت سے لوگ زمانہ کی ستم ظریفیوں کی شکایت کرتے پھرتے ہیں، اپنے نصیبے کو روتے رہتے ہیں۔ کہ ہر قسم کی لیاقت وقابلیت کے باوجود وہ محض اپنی بدقسمتی کی بنا پر اپنے حقوق سے محروم ہیں۔ لیکن اگر تم ان کے ساتھ رہ کر ان کے حالات کی تحقیق کرو تو دیکھو گے کہ وہ اپنا وقت (جو سب کا سب خالی ہوتا ہے) ایک قہوہ خانہ سے دوسرے قہوہ خانہ میں، یا ایک فیاض رئیس کے دروازہ سے دوسرے رئیس کے دروازہ کی خاک چھاننے میں صرف کرتے ہیں اور مطلق کوئی کام نہیں کرتے گویا چاہتے ہیں کہ بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے آسمان سے دولت برس پڑے یا من وسلوی کی طرح خود بخود کام انھیں مل جایا کرے۔ اگر تم ان سے گفتگو کرو تو لوگوں کی شکایت اور دولتمندوں کی اپنی ناقدرشناسی کی ہجو سنتے سنتے گھبرا جاؤ حالانکہ ہم نے ایک آدمی بھی ایسا نہیں دیکھا جس نے بغیر سعی ومحنت اور بغیر استقلال ومداومت، دولت وثروت جمع کرلی ہو۔ اگر کوئی شخص شر وفساد کے مقامات کی سیر سے احتراز کرے اور اپنا وقت جد وجہد وسعی وعمل میں صرف کرے تو اس کی کامیابی میں کیا شبہہ ہوسکتا ہے۔ جو لوگ سرکاری محکموں میں ملازم ہیں وہ ہمیشہ اپنے عہدے سے ترقی کرکے اعلی عہدہ تک پہونچنا چاہتے ہیں لیکن ان میں ایسے لوگ بہت کم ہیں جو اس تمنا کے ساتھ ان علوم کو سیکھنا چاہتے ہوں جو ترقی کے لئے ضروری ہیں۔ وہ ہمیشہ اپنی اس کوتاہی پر تنگی وقت کا گلہ کرتے ہیں یعنی ان کے نزدیک فرائض منصبی کے ادا کرنے کے بعد جو وقت بچ رہتا ہے وہ اتنا نہیں ہوتا کہ اس میں

کوئی اور کام کیا جا سکے وہ صرف آرام و تفریح کے لئے ہوتا ہے۔ حالانکہ ہم جیسا کہ پہلے کہہ چکے ہیں، کام سے بالکل دست کش ہو جانا تفریح نہیں ہے بلکہ کام میں تنوع پیدا کرنا اصل تفریح ہے۔ علاوہ بریں وہ اگر ہر روز تفریح کے اوقات میں سے چند ہی منٹ نکال لیا کریں تو بڑے بڑے کام انجام دیئے جا سکتے ہیں۔ منٹوں ہی گھنٹے بنتے ہیں اور گھنٹے ہی دن میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ یہ بلند پہاڑ جو ہمیں دکھائی دے رہے ہیں یہ آخر ان چھوٹے چھوٹے کیڑوں ہی کے بنائے ہوئے ہیں جو اتنے چھوٹے ہیں کہ خوردبین کے بغیر دیکھے نہیں جا سکتے۔ جو لوگ اپنے وقت کی قدر و قیمت پہچانتے ہیں وہ اپنے پیشہ کے کاموں سے فرصت پانے کے بعد اپنا وقت ایسے کاموں میں صرف کرتے ہیں جو دوسروں کے لئے بھی نفع بخش ہوں اور ان کے لئے بھی۔ عموماً یہ لوگ انہی اوقات میں بڑے بڑے کام کر لیتے ہیں جن کی ہم کوئی قیمت نہیں سمجھتے۔ ڈاکٹر مازن گوڈ، لکریٹس کا ترجمہ اس وقت کرتا تھا جب وہ اپنے مریضوں کو دیکھنے جایا کرتا تھا۔ ڈاکٹر ڈاروِن نے اپنی اکثر کتابیں اسی طرح تصنیف کیں۔ ڈاکٹر برنی جب موسیقی سکھانے کے لئے اپنے شاگردوں کے گھروں پر جایا کرتا تو درمیانی وقفہ میں فرانسیسی اور اٹالین زبان سیکھا۔ کرک ہوائٹ نے یونانی زبان اپنے دفتر اور مجلس قضا کے راستہ میں سیکھی۔ دگسو نے جو فرانس کا مشہور شنری تھا، ان قلیل وقفوں میں جو دسترخوان پر ایک قسم کا کھانا اٹھانے اور دوسری قسم کا رکھنے میں پیش آتے ہیں ایک موٹی کتاب تصنیف کر ڈالی۔ میڈم ڈی جنلی نے اپنی بعض کتابیں ان چند منٹوں میں لکھیں جو وہ ہر روز اپنی ایک امیر تلمیذہ کے انتظار میں صرف کرتی تھی۔ یہو ریتہ ایک لوہار تھا وہ اپنے پیشہ کے کاموں سے فارغ ہو کر زبانیں سیکھا کرتا تھا۔ اس نے ۴۰ زبانیں جن میں ۲۲ جدید اور ۱۸ قدیم ہیں سیکھ لی تھیں۔ غرض یہ ہے کہ تنگیٔ وقت کا عذر بالکل ناقابل التفات ہے۔ کسی کام کو مداومت اور استقلال کے ساتھ کیا جائے تو ہر روز کے چند منٹ ہی اس کے لئے کافی ہو سکتے ہیں۔ ضرورت صرف ارادہ اور عزم کی ہے۔ تمہیں کوئی کام ہرگز کل پر نہیں ٹالنا چاہئے۔ مشرقیوں کی سب سے تباہ کن عادت یہی ہے۔ کتنے ذہین لوگوں نے اپنی عمریں بیکار رہنے، بخت و اتفاق پر بھروسہ کرنے، ہر کام کو کل پر ٹال دینے اور صرف شکوہ و عتاب پر اکتفا کر لینے

میں ضائع کر دیتے ہیں۔ ہمارے نوجوان اگر ترقی کرنا چاہتے ہیں تو انہیں چاہئے کہ انگریزی، فرانسیسی، حساب، انشاء وغیرہ یعنی ان علوم میں سے کوئی نہ کوئی علم سیکھیں جن کی زیادہ ضرورت پیش آتی ہے۔ جو لوگ وکالت، صحافت، زراعت وغیرہ جیسے پیشے کرتے ہیں انہیں غور کرنا چاہئے کہ ان کی ترقی میں کن علوم کا فقدان حائل ہے اور پھر انہیں فراغت کے اوقات میں حاصل کرنا چاہئے اور اس طرح اپنے وقت، صحت اور تنخواہ کو مضر و تباہ کن کاموں میں برباد ہونے سے بچا کر اپنے نفس اور ملک کو فائدہ پہنچانا چاہئے۔

نوجوان لڑکیاں اور بیکاری

اب تک جو کچھ لکھا گیا اس کا تعلق لڑکوں سے تھا۔ اب لڑکیوں کے بارے میں بھی کچھ کہنا ہے۔ بیکاری کے متعلق ہم کہہ چکے ہیں کہ نوجوانوں کے حق میں سم قاتل ہے۔ اسی پر لڑکیوں کو بھی قیاس کر لو بلکہ بیکاری لڑکیوں کے لئے لڑکوں سے زیادہ مضر ہے۔ خصوصاً ان لڑکیوں کے لئے جو سمجھتی ہیں کہ وہ صرف بننے سنورنے اور فیشن پرست بننے کے لئے پیدا کی گئی ہیں اور انہیں اس کی کوئی پروا نہیں ہے کہ اس کا انجام ان کے اور ان کے عزیزوں کے حق میں کیا ہوگا۔ اس سے بھی زیادہ خطرناک بیکاری ان امیر گھرانوں کی لڑکیوں کیلئے ہے جن کی ناز و نعمت میں پرورش ہوتی ہے، جو گھر کے کسی کام میں ہاتھ لگانا اپنی عزت کے منافی سمجھتی ہیں، جو خیال کرتی ہیں کہ وہ صرف زیب و زینت کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ جو کپڑوں اور آرائش کی چیزوں پر بے دریغ روپیہ صرف کرتی ہیں اور دل میں یہ خیال نہیں آنے دیتیں کہ روپیہ کہاں سے آتا ہے۔ جو زینوں کو ہاتھ لگانا بھی توہین سمجھتی ہیں، صرف کاغذ پر اپنی ضروریات لکھ دیا کرتی ہیں اور حساب و کتاب مردوں کے ذمہ چھوڑ دیتی ہیں۔

حیرت تو یہ ہے کہ بعض دولتمند اشخاص خود اپنی لڑکیوں کی عادت بگاڑتے ہیں۔ ہر ایک کے لئے الگ الگ خادمائیں مقرر کیا کرتے ہیں۔ بلکہ ایک ایک کے لئے کئی کئی خادمائیں ہوتی ہیں، کوئی چائے حاضر کرتی ہے، کوئی کھانا کھلاتی ہے، کوئی سنگار سنگاتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ جن لڑکیوں کا حال یہ ہو اور انہیں مشغول رکھنے کے لئے کوئی بھی عقلی یا جسمانی کام نہ ہو۔ جب ان کے جذبات بیدار ہو جائیں گے تو ان کا کیا حال ہوگا؟ نوجوان لڑکیاں جب عالم شباب میں بیکار

ہوس اور انکی دلچسپی کا کوئی مشغلہ نہ ہو تو کیا ہر قسم کے پردہ کے باوجود انکی سیرت خطرے میں نہ ہوگی؟ جس لڑکی نے سالہا سال تک اس طرح زندگی بسر کی ہو کہ اسے معلوم بھی نہ ہوتا ہو کہ گھر میں کیا چیز آتی ہے اور کیا جاتی ہے، ہر کام نوکر انجام دے رہے ہوں، اگر ایسے پاس مہینہ کے آخر میں خادم اخراجات کا حساب لیکر آئے اور پانچ گنی کا خرچ صرف نمک کا دکھائے تو کیا وہ اسے باور نہیں کریں گی؟ درانحالیکہ اتنا نمک ایک ندی کو نمکین بنا دینے کیلئے کافی ہو سکتا ہے۔ بعض لڑکیاں ایسی ہوتی ہیں کہ جب نئی طرز کے کوئی قیمتی کپڑا انکے طرز پر سیئے دیکھتی ہیں تو اپنے شوہر سے اسی قسم کا کپڑا لانے کیلئے اصرار شروع کر دیتی ہیں، اگر وہ نہ لائیں تو خفا ہو جاتی ہیں درانحالیکہ وہ جانتی ہیں کہ اس کپڑے کی قیمت شوہر کی ایک مہینہ کی تنخواہ سے بھی زیادہ ہے۔ اگر تم اس شر کا سبب دریافت کرو تو تم دیکھو گے کہ یہ محض بیکاری کا نتیجہ ہے۔ چونکہ انھیں کوئی کام کرنا نہیں رہتا اسلئے وہ اپنا سارا وقت زیبائش و آرائش یا اس کی فکر میں صرف کرتی ہیں، کبھی آئینہ کے سامنے ہوتی ہیں، کبھی برساتی میں اور کبھی کپڑے بدلنے کے کمرے میں۔ اور اگر کسی جلسہ وغیرہ میں شریک ہوتی ہیں تو انکی توجہ صرف نئے نئے فیشن کے کپڑے اور قسم قسم کی بہو گیوں کے دیکھنے میں مشغول رہتی ہے۔ جلسوں کی شرکت عموماً ان کے اور ان کے شوہروں کے عیش کو منغص کر دیتی ہے خصوصاً اس حالت میں جبکہ وہاں کسی عورت کو کوئی ایسا نیا کپڑا پہنے ہوئے دیکھ لیں جو ان کے پاس نہ ہو۔ اگر ان عورتوں کی صحیح تربیت ہوئی ہوتی، بچوں کی تربیت اور امور خانہ داری کا انھیں عادی بنایا گیا ہوتا، نیز پیسہ کی قیمت سے انھیں آگاہ کیا گیا ہوتا تو انکی توجہ گھر کے انتظام اور اخراجات کو کم کرنے کی فکر میں صرف ہوتی۔ اور بجائے قیمتی کپڑوں پر فخر کرنیکے تدبیر منزل اور تربیت اولاد وغیرہ پر فخر کیا کرتیں۔ اس صورت میں انکا وجود شوہر کیلئے وجہ راحت اور گھر کیلئے زینت ہوتا، اپنے ہاتھ سے کام کرنے میں کوئی عار نہ ہوتا۔ وہ حقیقی عار اسکو سمجھتیں کہ اپنے جسم کی آرائش و زیبائش کا خوب اہتمام کیا جائے اور گھر کو میلا کچیلا رکھا جائے۔ اگر یہیں تک ہوتا تو خیر چنداں حرج نہ تھا، افسوس تو یہ ہے کہ یہ عورتیں اپنی اولاد کیلئے برے نمونہ کا کام دیتی ہیں اس لئے ان کے تمام برے اوصاف ان میں بھی منتقل ہو جاتے ہیں اور ان کے دل میں اس طرح گھر کر جاتے ہیں کہ مدرسوں کی تربیت اور اساتذہ کی تعلیم کچھ اثر انداز نہیں ہوتی۔ سب سے خطرناک برائی جو اولاد کو اس قسم کی ماؤں سے وراثت میں ملتی ہے۔ فرصت کے اوقات کا غلط استعمال ہے۔

(تلخیص)

حکمت غرب

مارکس اریلیس کے خیالات

(۲)

از جناب مولوی ضیاء احمد صاحب صدیقی ایم اے

ہریوں کا موازنہ کرتے ہوئے، اگرچہ یہ موازنہ بذات خود عامیانہ ہے، نہ کہ عالمانہ، تھیوفراسٹس نے Theophrastus ، بالکل صحیح فلسفہ کی ترجمانی کی ہے کہ ہوا و ہوس کا گناہ غیظ و غضب کے گناہ سے نسبتاً کم قابل معافی ہیں کیونکہ غصہ کی حالت میں انسان کرب اور ایک قسم کے غیر شعوری دماغی ہیجان سے متاثر ہو کر حق سے روگرداں معلوم ہوتا ہے برخلاف اس کے وہ شخص اپنے گناہ میں زیادہ پست، ذلیل و بزدل نظر آتا ہے، جو ہوا و ہوس میں مبتلا ہو کر صرف اس وجہ سے گناہ کرتا ہے کہ وہ ایسا کمزور ہے کہ تعیشات کا مقابلہ کر ہی نہیں سکتا، پس تھیوفراسٹس کا یہ خیال بالکل حکیمانہ اور فلسفیانہ ہے کہ ایسے گناہ جنکی بنیاد ترغیبات نفس پر ہے ان گناہوں سے کہیں زیادہ قابل نفرت ہیں جنکی بنا غیظ طاری کیا ہے، کیونکہ اگر آپ بطور مجموعی دونوں گنہگاروں کے حال پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ایک صرف اس وجہ سے مغلوب غیظ و غضب ہوا کہ اس کو پہلے تم رنگ چکا تھا، برخلاف اس کے دوسرا گنہگار دیدہ و دانستہ مرتکب گناہ ہوا اور اپنے ہی خواہشات نفس کے دھارے کے ساتھ بہہ گیا۔

تو اپنے ہر قول، عمل، اور خیال کو ایک ایسے شخص کے شایان شان بنا دے جو ہر لحظہ زندگی کو خیرباد کہنے کے لئے تیار ہے، کیونکہ اگر خدا کا وجود ہے تو انسانی صحبت سے جدائی ہرگز ہیبت ناک نہیں ہے، کیونکہ تجھکو برائیوں میں گرفتار کرنا فطرت ربانی سے بالکل بعید ہے۔ لیکن اگر خدا کا وجود نہیں ہے یا گو اس کا وجود ہے لیکن پھر بھی وہ

بنی نوع انسان سے بے نیاز ہے تو پھر ایسے غیر یزدانی اور محروم رُخ دنیا میں دن کاٹنے سے کیا حاصل ہے لیکن خدا موجود ہے اور وہ ہماری اور ہمارے خاندان کی فکر رکھتا ہے کیونکہ اس نے انسان کو مختارِ کل بنا دیا ہے کہ اس سے کوئی ایسی لغزش نہ ہو جو در حقیقت برائی ہے اور اگر بقیہ چیزوں میں برائی کا کچھ شائبہ تھا بھی تو خدا کو پہلے ہی اسکا علم ہے اور اس نے ہم سب کو اس قابل بنا دیا ہے کہ ہم ان سے احتراز کریں۔ یہ کیونکر ممکن ہو کہ وہ جس نے انسان کو برا نہیں پیدا کیا وہ انسان کی زندگی کو برائیوں سے مسخ کر دے۔ پس یہ ناممکن تھا کہ ہمہ گیر فطرت یوں فروگذاشت کے جرم کی مرتکب ہوتی۔ یہ (ہمہ گیر فطرت) علیم، خبیر اور دانائے مطلق ہے اور ان صفات کی حامل ہو کر وہ قادر مطلق ہے جس کو خطاؤں کا پہلے سے پورا علم ہوتا ہے اور وہ ان کی اصلاح کرتی ہے۔ نہ تو یہ ممکن تھا کہ وہ راہ مستقیم سے اتنی گمراہ ہو جاتی (قطع نظر اس سے کہ اس کا سبب قوت یا حسن تدبیر کا فقدان ہو) کہ وہ بلا وجہ نیکی اور برائی کو نیک اور بد دونوں پر یکساں کارفرما ہونے دیتی۔ اصل یہ ہے کہ حیات اور موت، نیک نامی اور بدنامی، رنج و راحت، دولت و عزت، دونوں عادل اور غیر عادل کے حصہ میں آتی ہیں کیونکہ یہ چیزیں نہ جائز ہیں نہ ناجائز نہ تو اچھی ہیں اور نہ بری۔

تبدیلی اور انحطاط کی یورش تمام چیزوں پر نہایت سرعت سے ہوتی ہے۔ دنیا میں ہمارا وجود فنا ہو جاتا ہے اور امتدادِ زمانہ اس کی یاد کو بھی مٹا دیتا ہے۔ ان چیزوں پر غور کیجئے جن کی بنیاد شہرت پر ہے خصوصاً ترغیبات تعیش، کرب و محن کی دہشتناکیاں، غرور و تصنع کی ساری داستانیں یہ تمام چیزیں نذیبا نمائش، نفرت، کثافت، گندگی اور نجاست کی مرادف ہیں۔ وہ بالکل مردہ ہیں۔ وہ بالکل رستے ہوئے ناسور کی مانند ہیں۔ ان تمام چیزوں پر دماغ کی کارفرمائی ہونی چاہئے۔ دماغ کے سامنے یہ سوال ہونا چاہئے کہ وہ کون لوگ ہیں جنکی بعض توصیف اور تخیل پر شہرت کا مدار ہے۔ اس کو یہ بھی سوچنا چاہئے کہ موت کیا چیز ہے؟ اس کو اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ اگر کوئی ان مصنوعی بیتابیوں کا ازالہ کرکے جنکو ہمارے تخیل نے موت سے وابستہ کر رکھا ہے موت کی

ماہیت پر غور کرے اور اس خیال کا تجزیہ کرے تو معلوم ہوگا کہ موت کچھ بھی نہیں ہے بلکہ صرف فریضۂ فطرت ہے اور اسکے بجز ایک بچہ کے کون خوف زدہ ہوگا؟ موت فطرت کا صرف ایک فریضہ ہی نہیں ہے بلکہ عافیت فطرت کے لئے ایک نہایت ضروری عنصر ہے۔ ایسے دماغ و ذہن کو اس بات پر بھی غور کرنا چاہئے کہ کیسے اور اپنی کس صفت سے انسان ضرر رسیدہ ہو سکتا ہے اور کن حالات میں اس صفت کی کارفرمائی مفید ترین ہوگی۔

اُس انسان سے زیادہ بدحال و بدبخت کوئی نہیں جو ہمیشہ ایک دائرہ میں سرگرداں ہے اور بقول پنڈار (Pindar) طبقات اسفل کی چیزوں کا متلاشی ہے اور ہر وقت اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ دوسروں کے دل کا راز معلوم کرے اور وہ ہمیشہ اس بات کے سمجھنے سے بالکل عاری ہے کہ اس کے لئے کافی ہے کہ وہ اپنا ذاتی وصف معلوم و محسوس کرے اور دیانت کے ساتھ اس پر کاربند ہو۔ اس خدمت کی بجا آوری یوں ہو سکتی ہے کہ اس وصف یا خوبی کو جذبات یا خواہشات اور جھگڑے جن سے مسخ نہ کر دے۔ اور نہ تو احکام الٰہی یا احکام انسانی پر رنج سے گھٹ گھٹ کر اس صفت کو داغدار بنا دے۔ کیونکہ ہمارے لئے مصلحت ایزدی کا یہ فیصلہ ہے کہ ہم رشتۂ احترام کو مضبوط پکڑیں۔ کیونکہ انسان کے اعمال در اصل اپنے بھائیوں کے اعمال ہیں اور اس وجہ سے ہم کو ان سے محبت کرنی چاہئے۔ یا کبھی کبھی شاید ہمیں ان پر ترس کھانا چاہئے کیونکہ وہ بہتر اور بدتر کی تمیز ہی نہیں کرتے۔ ان کے سامنے ایسی تاریکی چھائی ہوئی ہے جو اس تاریکی سے کہیں زیادہ سیاہ ہے۔ جو ہمارے لئے روشنی اور تاریکی کو یکساں بنا دیتی ہے۔

اگر ترا پیمانۂ حیات تین ہزار سال کر دیا جائے اور اس میں اسی تعداد تین ہزار سال شامل کر دیے جائیں تو تو یاد رکھ کہ کوئی آدمی بجز اپنی موجودہ حیات کے دوسری حیات نہ ضائع کرتا ہے اور نہ کوئی دوسری حیات بجز موجودہ حاصل کرتا ہے۔ پس طویل ترین پیمانۂ حیات مختصر ترین پیمانۂ حیات کے برابر ہے۔ زمانہ حال پر سب کی کارفرمائی بدرجہ مساوی ہوتی ہے۔ پس جب موجودہ زمانہ ضائع ہو جاتا ہے تو یہ نقصان

بھی سب کے لئے یکساں ہوتا ہے۔ یعنی موت کے واقع ہونے کے وقت کا کم سے کم حصہ ضائع ہوتا ہے۔ کیونکہ ہمارے لئے گذشتہ اور آیندہ کا ضائع ہونا بالکل ایسا ہی ہے جیسے کہ اس متاع کا لٹ جانا جو ہمارے پاس ہے ہی نہیں۔ پس دو چیزیں ہیں جن کو یاد رکھنا ہمارے لئے مناسب ہے۔ اول یہ کہ ازل سے ہر چیز بالکل یکساں اور ایک ہی دائرہ میں رواں ہے اس لئے کوئی مضائقہ نہیں کہ ایک شخص وہی مناظر صدیوں یا دوامًا دیکھتا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ دونوں اشخاص جن میں ایک پیری اور دوسرا شباب میں مرتا ہے۔ برابر ہی خسارہ میں رہتے ہیں۔ موت ہم کو صرف زمانہ حال ہی سے محروم کرتی ہے کیونکہ حال ہی ہمارا کل متاع ہے بالفاظ دیگر حال ہی سب کچھ ہے جس کو ہم کھو سکتے ہیں۔

رسالہ بلاغ امرتسر

ہندوستان بھر میں اپنی قسم کا تنہا دینی ماہنامہ جو کامل سنجیدگی اور صاف گوئی سے قرآن حکیم کی خدمات میں مصروف ہے۔ جس کی آواز چودہ سال سے اقصائے مذہب میں گونج رہی ہے۔ حق پسند طبیعتیں قبول کر رہی ہیں۔ قرآن عزیز کے بعد کوئی وحی نہیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی و رسول نہیں۔ تاویل و تفرقہ کی اختراعیاں سم قاتل ہیں۔ بلاغ کا نصب العین بحکم قرآن یہ ہے کہ مسلمانوں کو فروعی اختلافات کے باوجود آپس میں متحد ہو جانا چاہئے اور رسم تکفیر و تفسیق کا خاتمہ کر دینا چاہئے۔ بلاغ تعلیم اسلام کو عقلی Rational رنگ میں پیش کرتا ہے۔

ہر ماہ کی یکم تاریخ کو ۲۰×۲۲ کے ۲۰ پونڈ سفید چکنے کاغذ پر شائع ہوتا ہے اور صرف تین روپے سالانہ چندہ میں ساڑھے سات سو صفحات کے بے نظیر مضامین کا مجموعہ پیش کرتا ہے

مینجر بلاغ امرتسر

ادبیات

خیر مقدم!

نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمن خاں صاحب شیروانی کے ورود مدرسۃ الاصلاح کے موقع پر ہمارے فاضل دوست جناب مولوی محمد یحییٰ صاحب کی یہ نظم جو اسی موقع کے لئے لکھی گئی تھی، پڑھی گئی، اور عام طور پر بالاتفاق لوگوں نے پسند فرمایا۔ یہ اپنی ادبی اور شعری خوبیوں کی وجہ سے اس قابل ہے کہ الاصلاح کے قارئین بھی اس سے محظوظ ہوں۔ (اڈیٹر)

بحمد اللہ کہ ایزد دعوتِ ما را مجیب آمد — نوید کامرانی بہر جانِ ناشکیب آمد

ز عنبر بیزیِ خلق نسیمِ کیست کایں محفل — گلستاں در گلستاں از وفورِ طیب آمد

سزد ایں ناصیہ گر بر عروجِ بختِ خود نازد — کہ اکنوں سوئے او اہلِ معارف را حبیب آمد

عجب بود در ایں ویرانہ از انبوہِ مشتاقاں — کہ خود آوازۂ فضل و کمال او نقیب آمد

ندا آید کنوں از خوابگاہِ حضرتِ شبلی — خوشا یارے کہ با آں دوستی منزل قریب آمد

چراغِ دودۂ افغاں، فروغِ دیدۂ شرواں — کہ ذاتش در غلام آبادِ ہندوستاں نجیب آمد

حیاتش یادگارے آمد اسلافِ گرامی را — کہ او آں گنج ہائے دین و دانش را رقیب آمد

ز ہر حرفش گلِ خنداں لطافت وام می گیرد — صریرِ خامہ اش گوئی نوائے عندلیب آمد

وجودش مجمع البحرین آمد دین و دولت را — کہ خلقش پرورد او پر و خالق نجیب آمد

کنوں در جامعیت مثلِ او دیگر نمی بینم — تقی آمد، نقی آمد، ادیب آمد، خطیب آمد

سزد امروز اگر ایں مرز بر خویشتن بالد
کہ از فیض قدومش کامگار و خوش نصیب آمد

غزل

(از حضرت بیخود دہلوی)

پریاں خجل ہیں یوسف کنعاں کے سامنے
سب کے چراغ گل ہوئے انساں کے سامنے

دیوانگی میں چاک جگر کا ہوں پردہ دار
رہتے ہیں میرے ہاتھ گریباں کے سامنے

ذروں میں دیکھتا ہوں ضیا آفتاب کی
کیسا حجاب صاحب عرفاں کے سامنے

لاکھوں عذاب اک تری دوری کا مرحلہ
دوزخ بھی گرد ہے غم ہجراں کے سامنے

ہم کو بتا تو دیجئے کتنے چلیں گے تیر
کب تک جگر رہے صف مژگاں کے سامنے

میں جاں نثار باغ شجاعت کا پھول ہوں
دیکھو بلا کے خنجر براں کے سامنے

تو بعد مرگ نخل تمنا ہرے ہوئے ...
کوئی کھڑا ہے گور غریباں کے سامنے

میں گمرہان عشق کی منزل کا ہوں نشاں
ہے باغ خلد میرے بیاباں کے سامنے

اے سوز دل اک آہ شرر بار کھینچ کر
برسا دے پھول ابر بہاراں کے سامنے

بیخود کا آپ شیشۂ دل ہم سے پوچھئے
وہ ہے شراب خانۂ عرفاں کے سامنے

تلخیصات

آرزوؤں کا جال

گزشتہ دو سالوں کے اندر پروفیسر ولیم مارسٹان نے تقریباً تین ہزار اشخاص کے سامنے یہ سوال پیش کیا کہ "اس زندگی میں تم کیا چاہتے ہو؟ تمہاری بہتر سے بہتر آرزو کیا ہے؟" اس کے جواب میں تقریباً فیصدی ۹۴ آدمیوں نے یہ جواب دیا کہ "ہم موجودہ مصائب کو محض مستقبل کی خوش آیند توقعات پر انگیز کر رہے ہیں"۔ فی الحقیقت یہ جواب آرام طلب اور راحت پسند لوگوں کا ہے۔ جو حال کے حقائق سے محض اس لئے اغماض کر رہے ہیں کہ شاید مستقبل میں وہ غلط ثابت ہو جائیں۔ دنیا کے بیشتر لوگوں کا یہی حال ہے۔ ان کی نگاہ ہمیشہ خیالی دنیا ہوتی ہے۔ چنانچہ اکثر مزدور اور ملازمت پیشہ لوگ اپنی موجودہ حالت پر محض اس لئے قناعت کر لیتے ہیں کہ شاید آگے چل کر معاش کی کوئی آسان صورت پیدا ہو جائے۔

کسی صرافی کی دوکان میں دو ملازم کام کرتے تھے۔ کسی وجہ سے مالک دوکان نے فیصلہ کیا کہ ان دونوں کی تنخواہ نصف کر دی جائے۔ ان میں سے ایک نے بادل ناخواستہ اور دوسرے نے بخوشی اس فیصلہ کو منظور کر لیا اور دونوں حسب سابق کام میں مشغول رہے۔ کچھ دنوں کے بعد پہلے نے اپنے کام میں کوتاہی کرنی شروع کی اور دوسرا اسی طرح حسن و خوبی اپنے فرائض میں سرگرم رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مالک نے مجبور ہو کر پہلے کو ملازمت سے برطرف کر دیا اور پھر تھوڑے ہی دنوں کے بعد دوسرے ملازم کی تنخواہ حسب سابق کر دی۔ یہ واقعہ ان لوگوں کے لئے ایک درس عبرت ہے جو موجودہ تکلیفوں سے گھبرا کر مستقبل کی موہوم امیدوں سے تسلی حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ پروفیسر موصوف نے ایک شادی شدہ خاتون سے پوچھا کہ "آپ کا مقصد زندگی کیا ہے؟" خاتون نے جواب دیا کہ "اس وقت میرے پیش نظر صرف یہ ہے کہ میرا شوہر پنشن پانے لگے۔ اور میرے تمام بچوں کی شادی ہو جائے۔ اس کے بعد بقیہ زندگی عیش سے گذاری جائے"۔ بالآخر میاں کی پنشن بھی ہو گئی اور لڑکوں کی شادیاں بھی ہو گئیں۔ لیکن سکون قلب اور عیش جو تمام آرزوؤں کا منتہیٰ تھا، اس سے ہنوز محرومی ہی رہی۔ بلکہ لڑکوں کی شادیوں کے بعد بہوؤں نے ان بڑی بی کی زندگی اور تلخ کر دی۔ اور اس دنیائے دوں کے حالات کے اعتبار سے یہ کوئی نئی بات نہیں ہوئی۔ مستقبل کے شیریں خوابوں کی تعبیر عموماً اتنی ہی تلخ ہوتی ہے۔ لیکن اس بدبخت انسان کی بدبختیاں کتنی حیرت انگیز ہیں کہ آج کا اطمینان کل کی امیدوں میں تاراج کر رہا ہے۔ اور نہیں جانتا کہ آج کی تلخ و ناخوش گوار زندگی کے کانٹوں میں وہ پھول بھی ہے جو اگر مل جائے تو دولت دوجہاں ہاتھ آ جائے۔ لیکن اول تو اس بات کا اعتبار کسے، اور اگر اعتبار بھی ہو تو وہ نگاہ دوربیں کوئی کہاں سے لائے، جو کانٹوں کے اندر اس پھول کو چن لائے۔

کسی شخص کو اپنے مستقبل پر اتنا اعتماد نہیں کرنا چاہئے کہ حال کی مشکلات کا حل تمام تر اسی پر چھوڑ دے۔ کسی کو کیا خبر کہ "فردا چہ زاید"؟ اگر کشتی بھنور میں ہے تو بازو کی ساری طاقت صرف کر ڈالو، ممکن ہے اس کشمکش میں ساحل مراد مل جائے۔ مگر صرف اس امید پر کہ ان طوفانی ہواؤں کے بعد باد موافق چلیگی اور وہ آپ سے آپ ساحل کے مرغزاروں تک پہنچا دے گی۔ انسان کا وہ بھولا پن ہے جس پر صرف ماتم کیا جا سکتا ہے۔ دانا وہ ہے جو اپنے حال پر نظر رکھے اور زمانہ کی ہر مصیبت کا ثابت قدمی سے مقابلہ کرے۔ ماضی کو بھول جائے۔ مگر اس کے بخشے ہوئے تجربات کو زاد راہ بنائے۔ مستقبل سے بے پروا ہو جائے۔ مگر اس کی مخزونات کو سونچتا رہے۔ حاضر جب تک تمہارے سامنے ہے اس سے بہادری کے ساتھ لڑو اور جب آگے بڑھو تو اپنے پیچھے ایک فتحمند میدان چھوڑو۔ دنیا میں انسان کی اخلاقی تربیت کے لئے جس طرح ماں کی چھاتی کا شیر یا

دودھ ضروری ہے، اسی طرح مصائب کا امرت بھی ناگزیر ہے۔ جسم کی پرورش غذا سے ہوتی ہے مگر روح کی بالیدگی اور عقل کی تربیت مشکلوں ہی کے اندر ہے۔ ان ہی تاریکیوں کے اندر سے تجربات کی وہ روشنی نمودار ہوتی ہے جو ہر وادی میں ہماری رہنمائی کرتی ہے۔

اکثر انسان اس آرزو میں گم رہتے ہیں کہ کسی طرح کہیں مال کثیر ہاتھ لگ جائے تاکہ عیش سے زندگی گذار دیں اور تمام دنیا کی سیر و سیاحت کا لطف اٹھائیں، لیکن قبل اس کے کہ ان کی یہ خواہش پوری ہو، انقلاب دہر ان کی کتاب زندگی کا آخری ورق الٹ دیتا ہے اور ساری زندگی اسی موہوم آرزو کی نذر ہو کے رہ جاتی ہے۔

بعض لڑکوں کو دیکھا گیا ہے کہ ایک زمانہ میں کتابوں کے مطالعہ کے بڑے شائق تھے، یہ چیز ان کی عادت ثانیہ بن گئی تھی۔ مگر کچھ دنوں کے بعد مطالعہ سے جی چرانے لگے۔ یہاں تک کہ آہستہ آہستہ اس سے بالکل بیزار ہو گئے اور اس خیال سے تسلی حاصل کرنے لگے کہ "جب وقت ملیگا تو فلاں کتاب پڑھیں گے"۔ یا "کسی دوسری فرصت میں یہ کام کریں گے"۔ حقیقتاً ایسا کر کے انھوں نے اپنے اوپر بڑا ظلم کیا۔ اسلئے کہ جس فرصت کا وہ خواب دیکھ رہے تھے وہ ان کو کبھی نہیں ملی۔ فرصت کی یہ خصوصیت ہے کہ اگر اس کو تلاش کرو تو نہیں ملتی۔ اسکی تلاش میں جو نکلے سب کھوئے گئے۔

ایک بلند پایہ مصنف کا قول ہے کہ "اگر ہم روزانہ دس منٹ بھی اپنی عقلوں کی تربیت اور ان کے سنوارنے میں گذاریں جب بھی ہمارے لئے بہت مفید ہے۔ لیکن اگر ہم محض آئندہ پر تکیہ کر کے بیٹھ رہیں کہ بوقت فرصت دیکھا جائیگا تو یہ ہمارے لئے سم قاتل ہے۔"

سطور بالا سے تمہیں معلوم ہو گیا ہوگا کہ صرف مستقبل کی لذیذ آرزوؤں میں حال سے بے پروا ہو جانا صحیح نہیں ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ صرف حال ہی پر نظر رکھو اور مستقبل کو نظر انداز کر دو، نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ حال و مستقبل دونوں کا دامن ہاتھ میں ہو۔ اگر تم ایسا نہیں کرو گے اور صرف مستقبل ہی مستقبل پر نظر رکھو گے تو تمہاری مثال گویا اس شخص کی ہوگی جو ہمیشہ عالم خواب کی سیر کر رہا ہے۔ غور کرو، تم زمانۂ حال سے گذر رہے ہو اور تم اس وقت کو یوں ہی ضائع کر رہے ہو۔ بتاؤ تم مستقبل کے لئے کیا کر رہے ہو۔؟

ع۔ ر۔ ناصر

آنکھوں سے سننے والے

پیدائشی بہروں اور ان میں جو بعد میں بہرے ہو جاتے ہیں کچھ ایسا فرق نہیں ہوتا۔ البتہ دونوں کے احساسات میں فرق ضرور ہوتا ہے۔ پہلے کو کبھی اس بات کا خیال بھی نہیں ہوتا ہے کہ اس کے اندر کوئی قوت کم ہے اور دوسرے کے پاس اس سے ایک حاسہ زائد ہے۔ لیکن یہ دوسرا بڑی کوفت اور پریشانی کی زندگی گزارتا ہے۔ اس کے حافظہ میں شیریں نغموں اور پرشور ہنگاموں کی جو یاد محفوظ ہوتی ہے وہ اس کو انہی نغموں اور ہنگاموں کے لئے بیچین رکھتی ہے اور جب وہ محسوس کرتا ہے کہ اب ان سے متمتع ہونے سے قاصر ہے تو اس کا دل تڑپ اٹھتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ایسے بہرے قدرتی طور پر بولنے والے ہونٹوں کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں کہ دیکھیں وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ لیکن ان کو کوئی کامیابی نہیں ہوتی۔

اس زمانہ میں بہروں کی تعلیم کے لئے بے شمار مدرسے قائم ہو چکے ہیں، جنھیں ہونٹوں کے حرکتی اشارات سکھا کر ان کو اس قابل بنا دیا جاتا ہے کہ وہ دوسروں کی باتیں سمجھ سکیں۔ یعنی سماعت کا حاسہ جو وہ کھو چکے ہیں اس کا کام بھی وہ آنکھوں سے لینے کی مشق پیدا کر لیتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے سب سے زیادہ مشہور مدرسہ امریکہ میں اڈورڈ نشتی کا ہے۔

اڈورڈ نشتی کا قصہ عجیب و غریب ہے۔ اس کو سنکر وہی مشہور مصرعہ یاد آتا ہے کہ عدو شرے برانگیزد کہ خیر ما دراں باشد۔ بچپن میں بہرا ہو گیا تھا۔ ایک عرصہ کے دوا علاج کے بعد جب اس نے دیکھا کہ اچھے ہونے کی کوئی امید نہیں ہے تو اس نے ارادہ کر لیا کہ اس بے مزہ زندگی کا قصہ ہی پاک کر دے۔ یہ ۱۸۹۱ء کا واقعہ ہے۔ جب وہ چودہ برس کا تھا۔ لیکن غور کے بعد اس کی رائے بدل گئی اور اس نے سوچا کہ زندگی جیسی عزیز متاع مفت میں ضائع کرنے سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ اس کو کسی عمدہ مصرف میں صرف کیا جائے اور جب مصرف کی تعیین کا سوال سامنے

گیا تو اس کو [illegible] نظر آیا کہ اپنی زندگی دنیا کو بہرے پن کی مصیبت سے رہائی دلوانے میں صرف کرے۔ چنانچہ یونیورسٹی کی تعلیم نہایت نمایاں طور پر ختم کرنے کے بعد وہ نیویارک کے ایک مدرسہ میں داخل ہو گیا جس میں ہونٹوں کے اشارات کے ذریعہ پڑھنے کی تعلیم دیجاتی تھی۔ اس مدرسہ کی تعلیم بھی اس نے پوری کامیابی کے ساتھ ختم کی۔ اور اس کے بعد اس نے خود ایک مدرسہ قائم کیا جس میں یہی تعلیم نہایت سیدھے اور آسان طریقہ پر جاری کی۔ [illegible] مدرسہ میں ہر طبقہ کے بعد بالطلبہ جمع ہو گئے۔ اور اس کے مصارف کی شکل اس نے یہ نکالی کہ مدرسہ کے غریب طلبہ کی کفالت کا بار مستطیع اور دولتمند طلبہ پر ڈالدیا۔ اس وقت اس مدرسہ کی عمر صرف ۲۵ سال ہے لیکن امریکہ کے تمام گوشوں میں اس کی کثرت شاخیں قائم ہو چکی ہیں۔ اور آج بے تکلف یہ کہا جا سکتا ہے کہ آج یہی مدرسہ ہزاروں بہروں اور اونچا سننے والوں کی اجتماعی زندگی کا مرکز و محور ہے۔

[illegible] نیویارک کے بہروں کی انجمن ہے۔ جس کے تمام مدرسین و عہدہ داران دوسرے [illegible] بہرے ہیں تاہم اس سوسائٹی کے کسی گوشہ میں آپ کبھی نہ تو کوئی بلند آواز سن سکتے نہ کسی شخص کو مکبر الصوت کے استعمال کی ضرورت پیش آتی اور نہ کوئی شخص کسی بات کرنیوالے سے اعادہ کلام کا خواہشمند ہوتا، کیونکہ وہ گفتگو کرنیوالے کے ہونٹوں کی حرکت سے ایک ایک لفظ بالکل ٹھیک ٹھیک سمجھ لیتے ہیں۔

دس برس ہوئے اس انجمن نے نیویارک کے محکمہ تعلیم کو مشورہ دیا تھا کہ وہ مدارس کے طلبہ میں اس امر کی تحقیقات کرے کہ کتنے طالب علم اونچا سننے والے ہیں۔ کیونکہ امریکہ میں تین لاکھ طلبہ ایسے ہیں جو اگر ان کا علاج نہ کیا گیا، تو ضرور بہرے ہو جائیں گے۔ لیکن محکمہ تعلیم نے انجمن کے اس مشورہ کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انجمن کو ایک مفصل رپورٹ شائع کر کے یہ بتانا پڑا کہ محکمہ تعلیم کی اس غفلت سے کیا کیا مضر نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ انجمن کی تحقیقات کے لحاظ سے اونچا سننے والا طالب علم اپنے دوسرے ساتھیوں سے دو تین سال پیچھے رہتا ہے کیونکہ وہ استاد کی تقریر کے بہت سے حصے سننے سے بالکل قاصر رہتا ہے۔ اور اس طرح ہر طالب علم سالانہ ۳۰ پونڈ

کا بار محکمہ تعلیم پر ڈالتا ہے۔ حالانکہ اگر صرف چند ہزار پونڈ محکمہ تعلیم اونچا سننے والے طلبہ کے علاج پر صرف کر دیا کرے تو وہ ہزاروں پونڈ سالانہ بچائے۔

ان معقول دلیلوں نے محکمہ تعلیم کو مجبور کیا کہ وہ اس معاملہ کی طرف متوجہ ہو۔ چنانچہ ۱۹۳۴ء میں اس نے ۱۰ لاکھ طلبہ کے حاسہ سماعت کا امتحان کرایا جن میں ۳۰ ہزار طلبہ ایسے نکلے جن کی قوت سامعہ اوسط سے کم تھی۔ ان میں سے ۱۰ ہزار کو اس نے علاج کے لئے بھیج دیا اور ۹ ہزار ان مدارس میں داخل کرا دیئے جو ہونٹ کے اشارے کے ذریعہ تعلیم دیتے ہیں۔

اس تعلیم کا طریقہ یہ ہے کہ مدرس بغیر آواز نکالے ہوئے صرف ہونٹ کی گردش سے کوئی لفظ ادا کرتا ہے۔ بہرا اس کو بار بار دیکھ کر اس طرح اپنے حافظہ میں محفوظ کر لیتا ہے۔ جس طرح کوئی سننے والا حروف کی ترکیب اور ان کی کیفیت نطق کو محفوظ کر لیتا ہے۔ مدرس اس کیلئے پہلے بالکل بسیط اور متشابہ الفاظ انتخاب کرتا ہے مثلاً باب، تاب، غاب، دال، ذال، سال۔ جب استاذ کئی بار ان کو کہہ چکتا ہے تو طلبہ بھی اس کو آواز کے ساتھ دہراتے ہیں اور مدرس الفاظ کے انتخاب میں اس امر کا لحاظ رکھتا ہے کہ ان کے حروف اکثر وہ ہوں جو ہونٹ سے ادا ہوتے ہیں۔

لیکن اس طریقہ میں ایک مشکل یہ ہے کہ اس سے آدمی ہر لفظ کو نہیں سمجھ سکتا کیونکہ ۵۰ فیصدی آوازیں ایسی ہیں جن کو ہونٹ کی حرکت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ وہ یا تو حلق سے نکلتی ہیں یا منہ کے اطراف سے لیکن اگر ایک آدمی ہونٹ کی حرکت سمجھنے کی پوری مشق بہم پہنچائے تو سیاق کلام کی رہنمائی سے بقیہ گفتگو کو بھی نہایت آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔

ان مدارس کا مقصود صرف یہی نہیں ہے کہ بہرے یا اونچا سننے والے طلبہ گفتگو سمجھنے لگیں، بلکہ اس گروہ کی تمام اجتماعی دلچسپیوں اور سرگرمیوں کے مرکز ہوتے ہیں۔ تجربہ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ جو لوگ بہرے ہوتے ہیں، یا اونچا سنتے ہیں وہ ان کاموں کے لئے نہایت موزوں ہوتے ہیں جنکا تعلق شور و ہنگامہ سے

الگ ہو کر محض غور و فکر سے ہو۔ مثلاً تحریری کام، یا حسابی مشاغل یا ٹائپ کا کام۔ بلکہ اکثر حالات میں یہ کام بہتر طریقہ پر وہی لوگ انجام دے سکتے ہیں۔ جو حاسہ سماعت سے بالکل محروم ہوں۔ ان مدارس کے ایک نگراں کی رائے یہ ہے:-

"بہروں یا اونچا سننے والوں کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ان کے حال پر مہربانی کرے اور کسی کام میں لگائے تو وہ اس مہربانی کی بڑی قدر کرتے ہیں۔ وہ کبھی اپنا وقت فضول کاموں میں صرف نہیں کرتے بلکہ نہایت خاموشی کے ساتھ اپنے وقت کا تمام حصہ مفید کاموں میں صرف کرتے ہیں۔ وہ ہر کام میں مشغول رہتے ہیں اور اپنے طریق عمل میں کبھی کسی قسم کا تغیر نہیں پسند کرتے۔ اور یہ ایک ایسی خوبی ہے کہ اس کی جس قدر تعریف کیجائے کم ہے۔ یہ کام کے نظم کو ہمیشہ ایک طریق پر قائم رکھتی ہے جو کامیابی کے لئے بہترین ضامن ہے۔ علاوہ ازیں ایسے لوگوں کو اپنی آنکھوں ہی سے کانوں کا کام بھی لینا پڑتا ہے۔ جس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی بصارت نہایت تیز ہو جاتی ہے۔ اور وہ ہر کام میں وقت رسی اور باریک بینی کے خوگر ہو جاتے ہیں۔

بچوں اور بچیوں کا باتصویر ہفتہ وار رسالہ

پیامِ تعلیم (دہلی)

فرصت کے وقت کا بہترین دوست، اچھے اچھے اور مزیدار قصے، کہانیاں، دلچسپ معلومات، لطیفے اور مفید مشغلے، بیسیوں اور ملک کی تصویروں سے آپ کی خاطر کریگا۔ پیام ریڈیو کے ذریعہ ہندوستان اور ہندوستان کے باہر آپکے نئے نئے دوست پیدا کریگا۔ فوراً خریدار بن جائیے تو آپ کو ایک سالانہ مرقع بھی ملے گا جو اس بات کا ثبوت ہے کہ ہندوستان کی دوسری زبانیں بھی ایسی مثال پیش نہیں کر سکتیں۔ دو روپے آٹھ آنے فوراً بھیج دیجئے آپ کو سالنامہ مفت مل جائے گا۔ ورنہ ۱۲ آنہ بھیجکر منگا لیجئے

مکتبہ جامعہ نئی دہلی

تقریظ و تبصرہ

واردات ۔ مصنفہ منشی پریم چند آنجہانی ۔ تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶ حجم ۱۹۹ صفحے ۔ کتابت و طباعت پاکیزہ ۔ کاغذ عمدہ ۔ قیمت عہ ۔ ملنے کا پتہ :- مکتبہ جامعہ دہلی ۔

منشی پریم چند آنجہانی کے تیرہ افسانوں کا یہ ایک خوبصورت مجموعہ ہے اور ہر افسانہ اپنی جگہ پر لاجواب ۔ منشی جی کے افسانے سرتاسر ہندوستانی تخیل پر مبنی ہوتے ہیں ۔ وہ اکثر ٹھیٹ ہندوستانی پلاٹ تیار کرتے ہیں اور اس میں ایسا رنگ بھرتے ہیں کہ ہندوستانی زندگی ، ہندوستانی تمدن ، ہندوستانی معاشرت اور ہندوستانی المناکیوں کی صحیح تصویر آنکھوں میں پھر جاتی ہے ۔ ہندوستانی کیرکٹر اپنی اصلی صورت میں سامنے آجاتا ہے ۔ افسانہ ، افسانہ نہیں معلوم ہوتا ۔ بلکہ حقیقت معلوم ہوتا ہے ۔ اس مجموعہ میں انکی یہ خصوصیت اور زیادہ نمایاں ہے ۔

صحیفۂ چین ۔ مترجمہ سید احمد علی انوری فریدآبادی ۔ بی ۔ ایس ۔ سی ۔ آئی ۔ ایف ۔ ایس ۔ تقطیع ۲۰×۲۶/۱۶ حجم ۴۰ صفحے کتابت و طباعت اور کاغذ عمدہ ۔ قیمت ۸/ ملنے کا پتہ :- مکتبہ جامعہ دہلی

یہ چین کے مشہور رہنما اور فلسفی کنفوشس کی کتاب شوکنگ کا ترجمہ ہے ۔ ایشیائی ممالک میں چینی تمدن کو خاص عظمت حاصل رہی ہے ۔ لیکن حیرت ہے کہ ہم اس سے قریب تر ہونے کے باوجود اس کے حالات و خصوصیات سے بہت کم واقفیت رکھتے ہیں ۔ یہ کتاب اس واقفیت کے لئے راہ کھول رہی ہے ۔ جناب مترجم نے چین کی موجودہ مظلومی کی حالت میں اس کتاب کو شائع کرکے اس کی بہت بڑی اخلاقی اعانت کی ہے ۔ اس کے مطالعہ سے چین کی تاریخ اس کے اخلاقی و روحانی فلسفہ ، اس کے تمدن و تہذیب اور اس کے سیاسی و ملکی نظام کے متعلق بہت سی مفید باتیں معلوم ہوتی ہیں ۔ اور اس کی موجودہ مظلومی پر دل میں

ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے ۔ گرچہ یہ ترجمہ براہ راست اصل کتاب سے نہیں کیا گیا ہے ۔ لیکن ترجمہ اچھا ہے ۔ آخر میں چینی بادشاہوں کی رومن اور اردو خط میں ایک فہرست بھی دیدی گئی ہے ۔ اس فہرست سے چینی تلفظ کے ادا کرنے میں بڑی مدد مل سکتی ہے ۔

تسہیل البیان فی رسم نظم القرآن ۔ مولفہ قاری محمد نظر ۔ تقطیع ۲۲×۳۰/۱۶ ضخامت ۱۰۴ صفحے ۔ کتابت و طباعت عمدہ ۔ کاغذ سفید دبیز ۔ قیمت ۱۲/ ۔ دو پتوں سے مل سکتی ہے :- محمد راشد اردو ہری چوہدری محلہ لکھنؤ ، شبلی بک ڈپو ، نظیر آباد لکھنؤ ۔

قاری محمد نظر صاحب مدرس مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ ، مشہور قاری ہیں ۔ عرصہ دراز سے فن قرأت کے درس و تدریس کی خدمت انجام دے رہے ہیں ۔ انھوں نے اپنے طویل تجربۂ تعلیم اور کافی مطالعہ کے بعد عربی زبان میں یہ ضخیم رسالہ لکھا ہے ۔ طلبہ اور عام ناظرین کی آسانی کے لئے عربی عبارت کے بالمقابل اس کا بامحاورہ اردو ترجمہ بھی کر دیا ہے ۔

ہرچند ہمیں فن قرأت سے واقفیت نہیں ہے اور نہ اس فن کی کتابوں کے مطالعہ کا موقع ملا ہے لیکن کتاب کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسالہ اپنے موضوع پر نہایت جامع ہے ۔ قاری صاحب موصوف نے اس رسالہ کی ترتیب میں قرآن و حدیث کے علاوہ فن کی اکثر بنیادی کتابوں سے مدد لی ہے ۔ شروع میں نزول قرآن ، اور قرآن کے جمع و ترتیب اور نظم پر آیات و احادیث کی روشنی میں نہایت مدلل بحث کی ہے ۔ اس کے بعد فن قرأت کے اصول و مبادی اور جزئیات کو عام فہم زبان میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے ۔ اس رسالہ کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا اسلوب بیان نہایت سلجھا ہوا ہے ۔ جس سے طلبہ کو مسائل کے ذہن نشین کرنے میں کوئی دشواری نہ ہوگی ۔ ہمارے خیال میں یہ رسالہ فن قرأت کے طلبہ کے لئے نہایت مفید ہے اور اس قابل ہے کہ ان کے نصاب درس میں شامل ہو ۔

یورپ اور اسلام ۔ مولفہ مولوی عبدالقیوم ندوی سترکھی ۔ تقطیع ۲۰×۲۶/۱۶ حجم ۲۰ صفحے کتابت و

طباعت روشن، کاغذ عمدہ قیمت ہر ملنے کا پتہ:۔ ملک دین محمد اینڈ سنز پبلشرز و تاجران کتب کشمیری بازار لاہور۔

عرصہ سے اکثر اسلامی اخبارات و رسائل میں اسلام اور پیغمبر اسلام صلعم کے متعلق یورپین مصنفین اور مستشرقین کی مدحیہ رائیں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ اگرچہ ہمارے نزدیک یہ رائیں تحسین ناشناس کے حکم میں داخل ہونے کی وجہ سے کچھ بہت وقعت نہیں رکھتیں لیکن جو لوگ ہر چیز کے حسن و قبح کا معیار یورپ ہی کی نظر کو سمجھتے ہیں ان کے لئے یہ رائیں فائدہ سے خالی نہیں اور شاید اسی مقصد سے مولوی عبدالقیوم صاحب نے ان رایوں کو یکجا کرکے کتاب کی صورت میں شائع کردیا ہے۔ یہ کتاب ان نوجوانوں کے لئے ایک تریاق ہے جو مغربی مصنفین کی کتابوں سے متاثر ہوکر اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق بہت سی غلط فہمیوں میں مبتلا ہوچکے ہیں۔

ہم کو امید ہے کہ اس کتاب کی قدر کی جائے گی۔ اگر انگریزی ناموں کے بالمقابل انگریزی تلفظ دیدیا گیا ہوتا تو اچھا ہوتا۔ امید ہے دوسرے اڈیشن میں اس نقص کو دور کردیا جائے گا۔

تفسیر سورہ اخلاص

(اردو)

استاذ امام علامہ فراہی رحمتہ اللہ علیہ نے سورۂ اخلاص کی تفسیر اردو میں لکھی ہے۔ اس سورہ کی ہر دور میں بیشمار تفسیریں لکھی گئیں لیکن اہل نظر نے اعتراف کیا ہے کہ علامہ فراہیؒ کی تفسیر میں جو نکتے بیان ہوئے ہیں ان سے تمام تفسیریں خالی ہیں۔ کتابت و طباعت بہترین کاغذ نہایت عمدہ

قیمت:- ۵ر

منیجر